ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

''آب حیات'' تعارف، نقد اور نقاد

ڈاکٹر عطاء الرحمن میو

ایسوسی ایٹ پروفیسر لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

محمد امین

پی ایچ ڈی سکالر، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Maulana Muhammad Husain Azad's book Aab e Hayat is a book on which critics have written a lot. One group of critics is in support of Maulana Muhammad Hussain Azad, while the other group went overboard in opposition to Azad. Both showed partiality in determining the status of Aab e Hayat. Aab e Hayat gained great importance in Urdu literature. There is a need for impartiality in determining the status of Aab e Hayat.

کلیدی الفاظ:

آب حیات۔ کلیدی کردار۔ غدر۔ تنقید۔ نقادان۔ ادب۔ تاریخ۔ ملک الشعرا۔ قرب وبعد۔ خاقانی ہند شعر و ادب۔ انجمن پنجاب۔ ناظم تعلیمات۔ خیر باد۔ تسامحات۔ اختراعات۔ ہم سبق۔ ہجو گو۔ یاوہ گوئیاں۔ سر گزشت۔ طباعت۔ اطوار و احوال۔ تاریخ ادب۔ نثر پارہ۔ تخلیقات۔ سماجی پس منظر۔ منظر کشی۔ تہذیب و ثقافت۔ معنویت۔

شمس العلماء مولوی محمد حسین آزادؔ ۱۰ جون ۱۹۳۸ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولوی محمد باقر نامور عالم دین، ادیب، صحافی اور جنگ آزادی کے عظیم مجاہد تھے۔ آزادؔ کی پرورش اور ابتدائی تعلیم و تربیت میں ان کے والد مولوی محمد باقر اور دادا محمد اکبر کا کلیدی کردار تھا۔ وہ زمانہ طالب علمی میں دلی کالج میں زیر تعلیم رہے۔ جہاں انھیں مولوی نذیر احمد دہلوی، ذکاء اللہ اور پیارے لال آشوب کے ہم سبق ہونے کا موقع میسر آیا۔ دلی کالج میں قاری جعفر علی اور مولوی سید محمد سے اکتساب فیض کیا۔ مولوی محمد باقر سے خصوصی تعلق کی بنا پر اردو کے نامور شاعر استاد ابراہیم ذوقؔ کی خدمت میں کم سنی میں ہی حاضر ہوئے اور استاد کی وفات تک ان کے سایہ عاطفت میں رہے۔ ابراہیم ذوقؔ کی وفات کے بعد حکیم آغا جان عیشؔ کی شاگردی میں آ گئے۔ تاہم ذوقؔ سے محبت اور عشق میں کوئی کمی نہ آئی۔

آزادؔ غدر کے خونی واقعات کے بعد دہلی سے لکھنو گئے۔ وہاں مشاعروں اور محفلوں میں شرکت کی۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد کچھ وجوہات کی بنا پر لکھنو کو خیر باد کہہ کر لدھیانہ پہنچے اور وہاں راجہ جنید کے دربار میں شاعری کے جوہر دکھائے۔ دو برس کے بعد انجمن پنجاب میں ملازمت ملی اور بعد میں انجمن کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ناظم تعلیمات ڈاکٹر لائٹنر نے آزادؔ کو انجمن کے جلسوں میں اردو شعر و ادب کے متعلق لیکچر دینے کی ذمہ داری عائد کی۔ اس وقت آزادؔ کے تعلقات ڈاکٹر لائٹنر سے مخلصانہ تھے اور لائٹنر کو اردو سے کافی عقیدت تھی۔ آزادؔ نے انجمن پنجاب کے جلسوں میں ولی دکنی موجد غزل اردو، شاہ حاتم، شاہ ہدایت، ملک الشعرا شیخ ابراہیم ذوقؔ ایسے موضوعات پر مضامین پڑھے۔ کچھ بعید نہیں کہ انھوں نے یہیں سے باقاعدگی کے ساتھ ''آب حیات'' کی تخلیق کی جانب عملی قدم بڑھایا ہو۔ اس طرز پر کتاب لکھنے کا ارادہ انھوں نے غالباً ذوقؔ کے زمانے میں ہی کر لیا تھا۔ ذوقؔ انھیں شعرا کے متعلق بتاتے تھے اور آزادؔ ان معلومات کو ذہن نشین کر لیتے تھے۔ یوں ''آب حیات'' کی تصنیف ایک طویل عرصہ پر محیط ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

مولانا آزادؔ کی یہ شہرہ آفاق کتاب پہلی مرتبہ ۱۸۸۰ء میں چھپ کر آئی اور اس کی دوسری اشاعت ۱۸۸۳ء میں ہوئی۔ یہ کتاب دو یا تقریباً چار مرتبہ آزاد کی زندگی میں طبع ہوئی۔ اس کتاب کی طباعت میں مولانا محمد حسین آزادؔ نے اپنے تئیں بے پناہ محنت سے کام لیا۔ آزادؔ نے اس کتاب کی تالیف کے سلسلے میں خود لکھنو کا سفر کیا۔ وہ میر کلو عرشؔ، خلف میرؔ سے ملے۔ سوداؔ کے پسماندگان کی تحقیق کی، میر انیسؔ کی صحبت میں آئے۔ تذکروں، یاداشتوں کو سامنے رکھا، نواب علاؤالدین خان، حالیؔ، مولوی محمد عظیم، اشرف حسین خان، نواب مظفر حسین خان، لالہ ورگاداس نے ان کی معاونت بھی کی۔

یہ تصنیف پندرہ سال کی محنت وریاضت کا نتیجہ ہے۔ پہلے ایڈیشن کی تعداد پانچ سو سات ہے، ہر صفحے پر انیس سطور اور ہر سطر میں تقریباً سترہ اٹھارہ الفاظ درج تھے۔ پہلے ایڈیشن کے بعد مولانا آزادؔ نے دوسرا ایڈیشن شائع کیا جس میں کچھ ترامیم اور اضافے کیے۔ مومن خان مومنؔ سمیت مزید کچھ شعرا کو اس کتاب کا حصہ بنایا۔

محققین کے مطابق ''آب حیات'' آزادؔ کی زندگی میں چار مرتبہ طبع ہوئی اور ان کی وفات کے بعد حسب ضرورت متعدد مرتبہ طباعت کے مرحلے طے کیے۔ اس کتاب کو لکھنے کی وجہ آزادؔ کی شاعری میں بے اندازہ دلچسپی تھی۔ مزید یہ کہ اردو میں اس وقت شعرا کا اس طرح کا تذکرہ بھی موجود نہیں تھا۔ اردو شعرا کی تذکرہ نگاری کا آغاز ۱۸۳۷ء میں میر تقی میرؔ کے تذکرے ''نکات الشعرا'' سے ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ سیّد فتح علی گردیزی کا تذکرہ ریختہ گویاں، قائم چاند پوری کا مخزن نکات، لچھمی نرائن شفیق وصاحب اورنگ آبادی کا چمنستان الشعرا، علی ابراھیم خاں خلیل کا گلزار ابراھیم، مصحفی کا تذکرہ ہندی وریاض الفصحاء، قدرت اللہ قاسم کا مجموعہ نغز، شیفتہ کا گلشن بے خار، مرزا علی لطف کا گلشن ہند، کریم الدّین کا طبقات الشعرائے ہند، سعادت خاں ناصر کا خوش معرکہ زیبا، امام بخش صہبائی اور مرزا قادر بخش صابر دہلوی کا تذکرہ گلستان سخن، درگا پرشاد نادر کا خزینتہ العلوم فی متعلّقات منظوم وغیرہ جیسے تذکرے موجود تھے۔

''آب حیات'' درج بالا تذکروں سے منفرد ہے۔ شاعروں کے حالات ہوں یا ادوار کی خوبی، شاعری کی تاریخ ہو یا اردو ادب کی تاریخ، سبھی اعتبار سے ''آب حیات'' ان تذکروں سے مختلف ہے۔ آزادؔ ''آب حیات'' کے دیباچے میں ماقبل تذکروں کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''ان سے نہ کسی شاعر کی زندگی کی سرگذشت کا حال معلوم ہوتا ہے، نہ اس کی طبیعت اور عادات واطوار کا حال کھلتا ہے، نہ اس سے کلام کی خوبی، صحت وسقم کی کیفیت کھلتی ہے، نہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معاصروں میں اس کے کلام میں کن کن باتوں میں کیا نسبت تھی انتہا یہ ہے کہ سال ولادت اور سال وفات تک بھی نہیں کھلتا۔'' (۱)

مولانا محمد حسین آزادؔ نے ''آب حیات'' کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا۔ جس میں انھوں نے شاعری کی تاریخ بھی متعیّن کر دی ہے۔ اگرچہ آزادؔ سے قبل قائم چاند پوری اپنے تذکرے ''مخزن نکات'' میں شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کر چکے تھے لیکن انھوں نے طبقوں کے لحاظ سے دور بنائے جیسا کہ شعرائے متقدمین، متوسطین، اور متاخرین۔ ان کے برعکس آزادؔ کا طریقہ ادوار نہایت ہی عمدہ ہے۔ جس سے شاعری کی تاریخ بھی شعرا کے لحاظ سے سامنے آجاتی ہے۔ آزادؔ کی ادوار بندی کچھ اس طرح ہے:

۱۔ پہلا دور: ولیؔ آبروؔ، ناجیؔ، مبارکؔ، حاتمؔ وغیرہ

۲۔ دوسرا دور: رنگینؔ، نثارؔ، خان آرزوؔ، فغاںؔ، ہدایتؔ وغیرہ

۳۔ تیسرا دور: مظہرؔ، سوداؔ، قائمؔ، دردؔ، اثرؔ، سوزؔ، میرؔ وغیرہ

۴۔ چوتھا دور: انشاءؔ، مصحفیؔ وغیرہ

۵۔ پانچواں دور: ناسخؔ، ضمیرؔ، آتشؔ، مومنؔ، شیفتہؔ، ذوقؔ، غالبؔ، دبیرؔ، انیسؔ وغیرہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

''آب حیات'' میں شعرا کے حالات وواقعات کے بیان میں آزادؔ نے ادوار بندی کی۔ ہر دور کے شعرا کا تذکرہ الگ الگ کیا۔ انھوں نے اپنے دلائل سے ثابت کیا کہ ان ادوار میں شاعری کن کن لسانی اور ادبی نشیب وفراز سے گزری۔ ان شعرا کے رنگ وآہنگ میں کیا کیا امتیاز وانفرادیت موجود ہے۔ ادووار بندی میں بعض تنقید نگاروں کو آزادؔ کی کچھ آراء سے اختلاف بھی ہے لیکن آزادؔ کی یہ انفرادیت ''آب حیات'' کو تذکرے کے منصب سے اٹھا کر تاریخ ادب کی کرسی پر بٹھادیتی ہے۔'' آب حیات'' اردو ادب کا تذکرہ ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی تاریخ نویسی کی پہلی کاوش بھی سمجھی جاتی ہے۔

مولانا آزاد نے ''آب حیات'' کا دیباچہ زیب قرطاس کرنے کے بعد اردو کی لسانی تاریخ پر نظر ڈالی۔ آزادؔ کے بقول اردو زبان نے برج بھاشا کی کوکھ سے جنم لیا۔

وہ لکھتے ہیں:

''اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے۔ اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے۔ لیکن وہ ایسی زبان نہیں کہ دنیا کے پردے پر ہندوستان کے ساتھ آئی ہو۔ اس کی عمر آٹھ سو برس سے زیادہ نہیں ہے۔ اور برج کا سبزہ زار اس کا وطن ہے۔'' (۲)

آزادؔ نے اپنی لسانی بحث میں ہندوستان کی قدیم زبانوں اور ان کے نشیب وفراز کو بیان کیا ہے۔ انھوں نے ثابت کیا کہ فارسی اور برج بھاشا کا اختلاط ہوا۔ اس سے ایک نئی زبان کی کونپل پھوٹی۔ اس نئی زبان کی ملنساری کے بدولت، فارسی، عربی، سنسکرت، ترکی، انگریزی سمیت مختلف زبانوں کے الفاظ کاروان اردو میں شامل ہوتے گئے۔ اردو زبان کی وسعت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور شاہجہانی بازار میں ملنے والا بچہ اس ملک کی تصنیف وتالیف کی سلطنت پر قابض ہوگیا۔ انھوں نے لسانی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے متعدد دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اردو زبان کا وجود برج بھاشا کی مرہون منت ہے۔

زبان کی لسانی بحث میں آزادؔ نے ایک پیش گوئی بھی کی ہے، جو دور حاضر میں بالکل درست ثابت ہو رہی ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

''اس میں عربی، فارسی، ترکی وغیرہ کئی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں اور اب انگریزی بھی داخل ہوتی جاتی ہے۔ اور ایک وقت ہوگا کہ عربی، فارسی کی طرح انگریزی زبان قابض ہو جائے گی۔''(۳)

آزادؔ کی یہ پیش گوئی ایسا جادو ہے جو آج سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ انگریزی زبان نے اردو کو بے پناہ متاثر کیا ہے اور دن بدن اس کا اثر ونفوذ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

بحیثیت محقق آزادؔ نے جن خیالات کا برملا اظہار کیا ہے ان سے محققین کو تحقیق کے گھوڑے دوڑانے کا موقع میسر آیا۔ اردو زبان کا لسانی جائزہ لینے، تحقیقی شواہد پیش کرنے اور لسانی نظریہ پیش کرنے کی بدولت محمد حسین آزاد ایک ماہر لسانیات کے منصب پر متمکن نظر آتے ہیں اور ''آب حیات'' نے لائبریری میں اردو کی لسانی تاریخ کی کتب میں جگہ بنالی۔

لسانی نقطہ نظر بیان کرنے کے بعد اردو نظم کے پانچ جلسوں کو بیان کیا گیا ہے جو اردو شاعری کے ادوار بن گئے۔ ان شعرا کے حالات وواقعات، شاعری اور ادبی مجالس کے بیان کی بابت اردو شاعری اور شعرا کے ساتھ ساتھ اس دور کی تصویر بھی امر ہوگئی ہے۔ آزادؔ نے شعرا کے کلام پر نقد کا کام بھی سرانجام دیا ہے۔ آزادؔ نے شعرا کے ادبی مقام کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مساعی آزادؔ کو ایک نقاد کے طور پر سامنے لاتی ہے۔ یوں آزادؔ تنقید نگار کی مسند پر فائز اور ''آب حیات'' نے تنقید کی اہم کتاب کا روپ دھار لیا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

آزادؔ نے شعرا کی تصویر کشی کرنے کے ساتھ اس دور کی تہذیب و ثقافت اور مجالس کو بھی منظر میں شامل کیا۔ محض شعرا کو سامنے نہیں لایا بلکہ پورے سماج کو اٹھا کر قارئین کے سامنے رکھ دیا۔ شاعر کو اس دور کے تہذیبی و ثقافتی پس منظر کے بغیر سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ تخلیق پر سماج اور روایات کی نہایت گہری چھاپ ہوتی ہے۔ اس لیے محض کلام کے ساتھ شعرا کے معاشرتی حالات کو بھی سامنے لایا جائے تو معنویت کے سمندر میں غوطہ زنی آسان ہو جاتی ہے۔

آزادؔ پہلے دور کے شعرا کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دیکھو جلسہ مشاعرہ کا امرا و شرفا سے آراستہ ہے معقول معقول بڈھے اور جوان برابر لمبے لمبے جامے۔ موٹی موٹی پگڑیاں باندھے بیٹھے ہیں۔ کوئی کٹاری باندھے ہے۔ کوئی سیف لگائے ہے۔ بعض وہ کہن سال ہیں کہ جن کے بڑھاپے کو سفید داڑھی نے نورانی کیا ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ عالم جوانی میں اتفاقاً داڑھی کو رخصت کیا تھا۔ اب کیونکر رکھیں کہ وضع داری کا قانون ٹوٹتا ہے۔ اس پر خوش مزاجی کا یہ عالم ہے کہ ان کے بڑھاپے کی زندہ دلی سے نوجوانوں کی جوانی پانی پانی ہوتی ہے۔ ان شوخیوں سے انہیں کچھ اور مطلب نہیں ہے۔ مگر یہ کہ اپنے آپ پر ہنسیں اور اوروں کو خوش کریں۔''(۴)

آزادؔ کے نزدیک دور اوّل کے شعرا کے ہاں سادگی اور بے تکلفی ہے۔ جو آنکھوں کے سامنے ہے اسی کو سیدھے سادے انداز میں نوک قلم پر لاتے ہیں۔ تکلف اور مشکل پسندی سے دور ہیں۔ اس دور کے شعرا کے کلام پر ایک نظر ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ان بزرگوں کے کلام میں تکلف نہیں۔ جو کچھ سامنے آنکھوں کے دیکھتے ہیں اور اس سے دل میں جو خیالات گزرتے ہیں۔ وہی زبان سے کہہ دیتے ہیں۔ ایچ پیچ کے خیال، دور دور کی تشبیہیں، نازک استعارے نہیں بولتے۔ اسی واسطے اشعار بھی صاف اور بے تکلف ہیں۔''(۵)

آزادؔ کے نزدیک دوسرے دور کے شعرا میں سادگی اور بے تکلفی تو حسب سابق موجود ہے البتہ ان کی زبان میں طوطی و بلبل کی طرح صفائی ہے اور قدرتی لحن کی بازگشت صاف سنائی دیتی ہے۔ اس دور کے شعرا سننے والوں کو اپنے سحر میں گرفتار کر لیتے ہیں۔ انھوں نے سادگی میں بھی مخصوص بانکپن اور نزاکت کی موجودگی کا احساس قائم رکھا ہے جو قدرتی حسن پر دلالت کرتا ہے۔ ان شعرا کے صاف محاورے سر دھننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

تیسرے دور کے شعرا کو آزادؔ نے عمارت اردو کے اصل معمار قرار دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان شعرا کے کلام میں بے تکلفی کی بجائے تکلف کا عمل دخل پیدا ہو گیا۔ موضوعات کی سلطنت میں عشق و محبت کی سرحد کو عبور تو نہ کیا لیکن انھوں نے بلندی مضمون اور بندشِ چستیوں کے بل بوتے پر تاثیر کے طلسم کے میدان میں اپنی رٹ خوب قائم کی۔ انھوں نے قارئین کو اپنے سحر میں مبتلا کر کے محض داد وصول نہیں کی بلکہ پر ستش کروائی۔

چوتھے دور کے شعرا کا آزادؔ کے نزدیک غضب کا آنا تھا۔ وہ قہقہوں اور مسکراہٹوں کی دل آویز آوازوں، اپنی زندہ دلی اور شوخی طبیعت کی بنیاد پر متقدمین سے بالکل جدا نظر آ رہے تھے۔ اگرچہ انھوں نے اگلی عمارتوں کو نہیں اٹھایا اور انھی کوٹھوں کو پھاندتے پھرے، ایک مکان سے دوسرا مکان سجایا، لیکن ادب کے اس پھول کو عطر میں ایسا بسایا کہ خوش بو میں جدت اور ندرت پیدا کر دی۔

پانچویں دور کے شعرا کے استقبال کے لیے آزادؔ مضطرب تھے۔ اس دور کے شعرا کے دو گروہ تھے۔ ایک وہ جو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر ہی پرانے باغوں میں چکر لگانے والے تھے اور دوسرے وہ عالی دماغ جو فکر کے نئے زاویے ایجاد کر رہے تھے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی شاعری ساحری بن گئی اور وہ دور حاضر کے سامری بن گئے۔

''آبِ حیات'' طباعتِ اوّل سے ہی تنقید و تعریض کی زد میں آ گئی۔ معترضین تو جیسے اس کتاب کی طباعت کے منتظر تھے۔ انھوں نے اس کتاب پر اعتراضات اور الزامات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ آزادؔ نے معترضین کے ضمن میں زبان کو بند رکھا۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ جیسے مونس و ہمدرد مولانا کی ڈھارس ضرور بندھاتے رہے کہ ان حمقا کی یاوہ گوئیوں سے قطعاً پریشان ہونے کی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ضرورت نہیں ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے نکتہ چینی کا یہ سلسلہ کتاب کی سرحدوں سے نکل کر مولانا محمد حسین آزاد کی شخصیت و کردار کے جغرا فیے میں جا داخل ہوا۔ مولانا محمد حسین آزاد کی شخصیت، شاعری، تحقیق اور تنقید کو تختہ مشق بنایا گیا۔

نقد آب حیات کے حوالے سے نقادوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو تنقیدی فرائض کی انجام دہی میں اخلاقیات کی تمام حدود عبور کر گئے۔ ان کی نامناسب تنقید، شدت پسندانہ اور یاوہ گو انداز نے خود ان کی اپنی شخصیت کے دامن کو داغ داغ کر دیا۔ اگر تنقید نگار کی زبان اور اسلوب بیان یوں اخلاق باختہ اور بیہودہ ہو سکتا ہے پھر تو ایسی تنقید اور ایسے نقاد سے الحذر سو بار الحذر۔ تنقید کی اس کیٹا گری میں اخبار ''سفیر ہند''، امر تسر اور ''صادق الاخبار'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں صرف دو مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ مولانا محمد حسین آزاد نے ''آب حیات'' کے پہلے ایڈیشن میں مومن خان مومن کو شامل نہیں کیا۔ آزاد نے انھیں دوسرے ایڈیشن میں جگہ دی اور سبب یہ بتایا کہ طبع اول کے وقت انھیں حالات میسر نہیں آ سکے۔ آزاد کا یہ بیان درست ہے یا غلط، واللہ عالم، لیکن ان کو لتاڑنے کا انداز مہذب بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن ان احباب نے فوری طور پر فرقہ وارانہ حملے شروع کر دیے۔ اردو ادب کو مسلکی دلدل میں دھکیلنے پر کمربستہ ہو گئے۔ اس طرح کا رویہ اپنا کر یہ نقاد، خود آزاد سے بھی بڑی غلطی کے مرتکب ہو گئے۔

''صادق الاخبار'' کے ایک مضمون ''احوال مومن'' کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''مولوی محمد حسین آزاد نے ایسے جواہر زواہر کو خزف ریزہ جان کر پھینک دیا، اور اپنی کتاب ''آب حیات'' میں جو ان کے خیال میں ہو گی، دیگر شعرائے قدیم کے ساتھ نہ لکھا۔ حضرت آپ افسردہ خاطر نہ ہوں۔ بھلا اجتماع ضدین کہیں ہو سکتا ہے۔ مومن تو نام پایا اور مذہب سنی۔ معاذ اللہ ایسے کٹے اور ڈبل سنی کہ اصحاب ثلاثہ کرام کی تعریف و توصیف میں قصائد بھی لکھے، اور وہ ایسے دل سے لکھے کہ مقبول بھی ہو گئے۔ مولوی آزاد کو کیا پڑی تھی کہ ایسے جنتی مومن کا حال زندگانی لکھ کر اس کو زمرہ استادان شمار کر کر آپ بھی اسی کے پیرو ہوتے اور اپنی برادری میں سے خارج کیے جاتے اور اہل تشیع کی نظروں میں سبک بنتے۔ پس آپ صبر کریں، تعصب کی شان کو بغور تکتے رہیں۔ فرمایئے تو سہی جن شعرا کا ذکر کتاب 'آب حیات' میں ہے، ان میں سے کسی نے بھی ایک رباعی اصحاب ثلاثہ کبار کی شان میں کہی ہے، گو ان میں سے اکثر اہل سنت ہیں۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مومن مرحوم کو عشق مذہب تسنن اس امر کا مقتضی نہ ہوا، وہ اس غیر کتاب میں داخل ہوتا۔ واللہ ہم تو تصرف مومن مرحوم سمجھتے ہیں اور آج سے فرقہ اولیا میں شمار کرنے لگے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔'' (۶)

۲۔ دوسری مثال بھی ملاحظہ کیجیے کہ تنقید نگار کس طرح سنجیدہ اور باوقار زبان میں آزاد کے تسامحات کی اصلاح فرما رہے ہیں۔ آزاد نے دبیر کے والد کا نام آغا جان لکھا ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ یہ غلطی ان سے کس طرح سرزد ہوئی۔ آزاد کی یہ غلطی یقیناً قابل گرفت ہے۔ لیکن درج ذیل انداز تنقید کسی نقاد کے شایان شان کیسے مانا جا سکتا ہے؟

تنقید آب حیات میں ''صاحب'' لکھتے ہیں:

> ''آغا جان دبیر کے والد کا نام تو نہیں اس شخص کے باپ کا ہو گا جو اس کا مدعی ہے۔''(۷)

آب حیات پر جو سنجیدہ اور قابل لحاظ تنقید ہوئی ہے اور اس تنقید کا رد کرنے والوں نے کیا، اس کا ذیل میں جائزہ پیش خدمت ہے۔

۱۔ حکیم عبدالحیی نے ''گل رعنا'' میں ''آب حیات'' پر تنقید کی۔

۲۔ حافظ محمود شیرانی نے آزاد کے پوتے محمد باقر کی تحریک پر ''تنقید بر آب حیات'' کا سلسلہ اورینٹل کالج میگزین لاہور میں شروع کیا۔ تین اقساط، اگست ۱۹۴۱ء، نومبر ۱۹۴۱ء اور فروری ۱۹۴۲ء میں لکھیں۔ محمد باقر اغلاط کی نشاندہی پر ناراض ہو گئے۔ شیرانی ابھی میر ضاحک تک ہی پہنچے تھے کہ انھوں نے یہ سلسلہ روک دیا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

۳۔ قاضی عبدالودود کا مضمون ''آزاد بحیثیت محقق''، ''نوائے ادب'' شمارہ نمبر ۴۔۳۔ ۲، ۱۹۵۶ء میں تین اقساط میں شائع ہوا۔ جو بعدازاں کتابی شکل میں مرتب ہوا۔ انھوں نے اپنی کتاب میں جو ۸۲ صفحات پر مشتمل ہے، آزاد کی تحقیق پر ۳۰۰ اعتراضات قلم بند کیے ہیں۔

۴۔ ڈاکٹر اسلم فرخی نے ''محمد حسین آزاد'' (۱۹۶۵ء) کراچی سے دو جلدوں پر مشتمل کتاب شائع کی۔ اس کتاب کی دوسری جلد میں ''آب حیات'' کا تنقیدی تجزیہ سیکڑوں صفحات پر مشتمل ہے۔

۵۔ ڈاکٹر عابد پیہ شاوری نے اپنی تین کتابوں ''انشا کے حریف وحلیف'' (الٰہ آباد، ۱۹۷۹ء)، ''انشااللہ خاں انشا'' (لکھنؤ، ۱۹۸۵ء)، ''ذوق اور محمد حسین آزاد'' میں آزاد کے بارے میں خامہ فرسائی کی۔

۶۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے ''اردو ادب کی تاریخیں'' میں ''آب حیات'' پر تنقیدی قلم چلایا۔

۷۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب نے اپنی کتاب ''آب حیات کا تنقیدی مطالعہ'' (۱۹۵۳ء، ۱۹۶۴ء) میں آزاد پر اعتراضات کے جوابات فراہم کرنے کی مساعی کی ہے۔

۸۔ ڈاکٹر محمد صادق کا مضمون ''آزاد کی حمایت میں'' صحیفہ دسمبر ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔

مولانا آزاد پر جو اعتراضات اور الزامات لگائے گئے ہیں ذیل میں ان کا تنقیدی اور تحقیقی جائزہ پیش کیا جاتا ہے اور یہ جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ آیا معترضین کس حد تک حق بجانب ہیں؟

۱۔ ''آب حیات'' کی ترتیب وتدوین کے حوالہ سے بڑا اور اہم اعتراض یہ سامنے آیا کہ آزاد کی حکایات من گھڑت اور خود ساختہ ہیں۔ انھوں نے اشعار پڑھ کر خود ہی حکایات تیار کیں اور انھیں اپنی کتاب میں پیش کر دیا۔ یہ اعتراض نامور محققین حافظ محمود شیرانی اور قاضی عبدالودود کی جانب سے پیش کیا گیا۔ انھوں نے یہ تاثر دیا کہ آزاد نے شعرا کے ذیل میں جو حکایتیں بیان کی ہیں وہ ان کی خود ساختہ ہیں۔

قاضی عبدالودود لکھتے ہیں:

''آزاد کی عام روش ہے کہ اشعار کو دیکھ حکایت وضع کر لیتے ہیں۔''(۸)

اس اعتراض کا مطلب خوب واضح ہے کہ یہ سب آزاد کی کارستانیاں ہیں اور ''آب حیات'' واقعات وحکایات کا ایسا ملغوبہ جو خود آزاد کا گھڑا ہوا ہے اور ان واقعات وحالات کی سند کہیں اور نہیں ملتی۔ لیکن یہ جان کر حیرانی ہوتی ہے کہ دونوں معزز محققین ایک طرف آزاد پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ سب واقعات انھی کے ایجاد کردہ ہیں اور دوسری جانب تحقیق کر کے یہ ثابت بھی کرتے ہیں کہ ''آب حیات'' میں فلاں فلاں ماخذات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

قاضی عبدالودود نے اپنے مضمون ''آب حیات کے دو ماخذ'' میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ آب حیات میں وہ معلومات درج ہیں جو ڈاکٹر اسپرنگر کی فہرست میں شامل ہیں اور دوسرا ماخذ سعادت خان ناصر کا ''تذکرۂ خوش زیبا'' ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آزاد کی آب حیات کم از کم مکمل طور پر خود آزاد کا تیار کردہ بے سند پلندہ نہیں ہے، بلکہ ان کے پاس کچھ نہ کچھ سند ضرور موجود ہے۔

حافظ محمود شیرانی جانب سے بھی یہ الزامات لگائے گئے کہ آزاد نے واقعات کو محض اپنے ذہن سے کشید کیا۔ شیرانی آزاد کے بہت بڑے ناقد تھے۔ لیکن جب انھیں قاسم کے تذکرے ''مجموعہ نغز'' کی تدوین کا موقع ملا اور اسے پڑھا تو فوراً یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

''مولانا نے اگرچہ ہر موقع پر اس تالیف سے استفادے کا اظہار نہیں کیا ہے، تاہم وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ''آب حیات'' کا ایک بڑا حصہ اسی تذکرے (مجموعہ نغز) سے ماخوذ ہے۔''(۹)

قاضی صاحب اور شیرانی صاحب کے بیانات خود ان کے دعویٰ کی تردید پر دال ہیں۔ ایک طرف آزادؔ پر یہ مقدمہ درج کیا گیا کہ انھوں نے خود ہی واقعات گھڑ لیے اور دوسری طرف اپنے اس تحقیقی کارنامے پر فخر بھی کہ آزادؔ فلاں فلاں نے اخذ و استفادہ کیا۔ ان بیانات سے معلوم ہوا کہ آزادؔ نے جو باتیں کیں وہ سراسر بے بنیاد نہیں تھیں۔

۲۔ آزادؔ پر پہلا اور جاندار اعتراض مومن خان مومنؔ کی ''آب حیات'' میں عدم شمولیت ہے، اگرچہ بعض نقادوں کا اس ضمن میں انداز بیان قابل ستائش نہیں تھا، تاہم ان کا اعتراض ضرور قابل توجہ تھا۔ مومنؔ جیسے شاعر کو ''آب حیات'' کے طبع اوّل میں جگہ نہ ملنا حیران کن تھا، تاہم آزادؔ نے جب دوسری اشاعت میں ان کو جگہ دے دی تو دیر آید درست آید۔ انھوں نے اپنی غلطی مان لی، آزادؔ نے عدم شمولیت کی جو وجہ بتائی بھلے اسے تسلیم نہ بھی کیا جائے، تب بھی دل صاف ہو جانا چاہیے۔ تاہم ناقدین کے ذمے یہ سوال واجب الادا ہے کہ آزادؔ نے تو ان کے بقول مومنؔ کو مسلکی عصبیت کی بنیاد پر اپنے تذکرے سے باہر رکھا، لیکن ان غیرت مند ناقدین نے طباعت اول میں مومنؔ کی تذکرے میں عدم شمولیت پر ضرور واویلا کیا، مگر انیسؔ، دبیرؔ، خلیقؔ اور میر حسنؔ کے احوال کی عدم شمولیت پر سکوت اختیار کیا۔ اگر مذہبی عصبیت کی بنیاد پر ہی آزادؔ نے مومنؔ کو شامل نہیں کیا، پھر یہ صاحبان کس تعصب کی بنیاد پر انیسؔ، دبیر، خلیق اور میر حسن جیسے قد آور شعرا کی عدم شمولیت پر چپ سادھے رہے؟

۳۔ آزاد پر ولیؔ دکنی کے تذکرہ کے باب میں جو سوالات اٹھائے گئے وہ درج ذیل ہیں:۔

ا۔ انھوں نے ولیؔ کا نام شمس ولی لکھا ہے۔

ب۔ اس کو اردو کا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔

ج۔ ولیؔ عربی نہیں جانتے تھے۔

د۔ ولیؔ کا دیوان پیرس میں چھپا ہے۔

ر۔ ولیؔ کے رسالے ''نور المعرفت'' کا موضوع تصوف ہے۔

س۔ ولیؔ کے دلی آنے کا سن بھی آزاد نے غلط لکھا ہے۔

آزادؔ پر یہ اعتراض کہ انھوں نے ان کے نام میں شمس کا اضافہ کیا ہے، محض آزادؔ کی گردن زنی مناسب نہیں ہے، کیونکہ آزادؔ سے پہلے مولوی کریم الدین نے اپنے تذکرے میں ولی کا نام شمس ولی اللہ درج کیا ہے۔ قریب قیاس ہے کہ آزادؔ نے یہاں مولوی کریم الدین سے استفادہ کیا ہو۔

مزید یہ کہ ولیؔ کو اردو کا پہلا شاعر قرار دینا، مسعود حسن رضوی کے بقول آزادؔ نے دکھنی، ریختہ وغیرہ کو نکال کر کہا۔ دوسرا یہ کہ اس کا بوجھ بھی آزادؔ پر ڈالنا مناسب نہیں کیونکہ میر حسن بھی انھیں پہلا شاعر سمجھتے ہیں اور ہندوستانی زبانوں کے ماہر ڈاکٹر گریزسن نے بھی ولی کو بابائے ریختہ، قرار دیا اور شمالی ہند کے تمام شعرا کو ان کا مقلد مانا۔ اسی طرح محمد باقر آگاہؔ جو خود دکھنی شاعر تھے، ان کی نظر تو آزادؔ سے بھی زیادہ دکھنی شعرا پر تھی۔ وہ بھی ولیؔ کو ریختہ یعنی اردو غزل کا بانی سمجھتے تھے۔

البتہ ولی کا عربی نا جاننا، دیوان کا پیرس میں چھپنا، رسالے کا موضوع تصوف ہونا اور دلی آنے کا سن وغیرہ تحقیق طلب ہیں کہ آیا آزادؔ کے پاس کوئی سند ہے یا ان کا ذاتی قیاس ہے۔

۴۔ آزادؔ پر تنقید ہوئی کہ انھوں نے سراج الدین خان آرزوؔ کو قاضی القضاۃ بنا دیا ہے، حالانکہ یہ سراج الدین اور تھے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

یہ الزام بھی محض آزادؔ کے سر نہیں آتا۔ آزادؔ سے پہلے کریم الدین اپنے تذکرے میں انھیں قاضی القضاۃ بنا چکے تھے۔ اگر انھیں اس منصب سے ہٹانا ہے تو آزادؔ سے زیادہ کریم الدین پر گرفت کرنی چاہیے جو اس مخمصے کے بانی ہیں۔

۵۔ آزاد کو مورد الزام ٹھہرایا گیا کہ انھوں نے شاہ حاتم کی تاریخ وفات غلط درج کی ہے۔

اسلم فرخی کے بقول کہ یہاں آزادؔ نے مصحفیؔ کی تحقیق پر اعتماد نہیں کیا۔ جو بعد ازاں غلط ثابت ہوئی ہے۔ آزادؔ نے جو تاریخ وفات حاتمؔ کی درج کی ہے وہی قریب از قیاس ہے۔

۶۔ جرأتؔ کے اندھے ہونے کے واقعہ پر بھی آزاد کو مورد الزام ٹھہرایا گیا کہ یہ واقعہ درایت کے اصولوں سے دور ہے۔ نابینا ہونے کا واقعہ آزادؔ نے طبع اوّل میں شائع کیوں نہیں کیا؟ نیز آزاد کا یہ کہنا کہ جرأتؔ کے قصیدے نہیں تھے، حالانکہ انھوں نے تین قصیدے لکھے۔

ڈاکٹر اسلم فرخی اور دیگر نقادوں کا خیال ہے کہ جرئاتؔ کا نابینا ہونا دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی بیان کیا ہے، لیکن اس کے سبب پر خاموشی کا اظہار کیا ہے۔ آزادؔ نے آگے بڑھ کر اندھے ہونے کی وجہ بھی لکھ دی ہے۔ اس سلسلے میں ان کے بیان کو جھٹلانے کے لیے جو شواہد درکار ہیں وہ کسی کے پاس نہیں ہیں۔ رہ گیا یہ معاملہ کہ انھوں نے یہ واقعہ آب حیات کی طباعت اول میں کیوں نہیں درج کیا؟ ہو سکتا ہے کہ انھیں یہ واقعہ بعد میں معلوم ہوا ہو۔ البتہ ان کا یہ دعویٰ درست نہیں کہ انھوں نے قصیدے کے کوچے میں قدم نہیں رکھا۔ بہر حال آزاد نے جرئاتؔ کے ساتھ انصاف کیا ہے، انھیں شاعری میں ایک محبوب شخصیت بنا کر پیش کیا ہے۔

۳۔ آزاد نے تذکروں کو دیکھا لیکن ان کا حوالہ نہیں دیا، نکات الشعرا سمیت اہم تذکروں کا مطالعہ نہیں کیا۔

آزاد کو ضرور حوالہ دینا چاہیے تھا لیکن اس زمانے میں سند اور حوالہ کا رواج شاید اس طرح مروج نہ تھا جیسا کہ آج ہے۔

۴۔ تذکرہ ''گلزار ابراہیم'' کو التزاماً ''گلزار ابراہیمی'' لکھا۔

ہو سکتا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہو یا آزادؔ نے کسی جگہ اس طرح ہی پڑھا ہو۔ بہر حال یہ اتنی بڑی غلطی نہیں ہے جس پر آزاد کو بالکل محقق کی مسند سے بے آبرو کر کے اتار دیا جائے۔

۷۔ آزاد کی ادوار بندی میں زمانی بعد نہیں ہے۔

ادوار بندی کے حوالے سے آزادؔ کی بازپرس کرنے میں زیادہ سختی نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ اردو ادب کی تاریخ میں ادوار بندی کا ڈول پہلی مرتبہ ڈالا جا رہا تھا، اس میں آزادؔ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو کوئی بات نہیں، مبتدی سے تسامحات کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔

۱۲۔ آزادؔ پر امیر خسروؔ کے ضمن میں خوب تابڑ توڑ حملے ہوئے: مثلاً

ا۔ ''خالق باری'' آزادؔ نے امیر خسرو کی کتاب بتائی ہے۔

ب۔ بعض غزلیات اور کہ مکرنیاں آزادؔ نے خسروؔ کے کھاتے میں ڈال دی ہیں۔

ب۔ امیر خسروؔ سے وابستہ لطائف بھی من گھڑت ہیں۔ خاص کر چمو کے ساتھ امیر خسرو کا حقہ پینا، حالانکہ اس وقت ہندوستان میں تمبا کو آیا ہی نہیں تھا۔

جہاں تک ''خالق باری'' کا تعلق ہے کہ آزادؔ پر حافظ محمود شیرانی نے یہ الزام لگایا کہ انھوں نے ''خالق باری'' کو امیر خسروؔ کی تخلیق قرار دیا ہے۔ یہ مغالطہ آزادؔ نے نہیں پیدا کیا بلکہ ان سے پہلے اس کا وجود عمل میں آ چکا تھا۔ اس حوالے سے تنقید نگاروں نے جو حوالے دیے ہیں، ان سے ''خالق باری'' امیر خسروؔ کے حصے میں جاتی ہے یا نہیں البتہ آزادؔ کی گلو خلاصی ضرور ہو سکتی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اسلم فرخی لکھتے ہیں:

''آزاد کا 'خالق باری' کو امیر خسروؔ سے منسوب کرنا ایسی غلطی نہیں ہے جو تعجب خیز ہو۔ یہ غلطی ان سے پہلے وجود میں آچکی تھی۔''(۱۰)

آزادؔ کے حمایتیوں نے ثابت کیا ہے کہ اسی طرح اور بھی کچھ غزلیات اور کہہ مکرنیاں ہیں جو آزادؔ نے امیر خسروؔ کی طرف منسوب کی ہیں وہ ان سے پہلے تذکروں میں منسوب ہوتی رہی ہیں۔

البتہ تمبا کو، حقے والا واقعہ آزادؔ کے حامیوں پر قرض ہے کہ اس کا جواب ڈھونڈیں۔

۱۸۔ اشرف علی فغاں سے متعلق دونوں واقعے معتبر نہیں ہیں۔ جگنو میاں اور تالیاں والا شعر بھی فغاں کا نہیں ہے۔

آزادؔ کا یہ قول بھی ماننے کے علاوہ چارہ نہیں ہے، ان واقعات کو قبول کرنے کا سبب یہ ہے کہ انھیں آزادؔ کے علاوہ کسی نے نقل نہیں کیا۔ لہٰذا یہ کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ آزادؔ نے غلط بیانی کی ہے۔

۲۰۔ میرزا مظہر کے تذکرے میں بھی آزادؔ جن شدید الزامات کی زد میں آئے ہیں وہ یہ ہیں:

ا۔ آزاد نے تذکرہ مظہر میں ان کا نام میرؔ اور سوداؔ کے ساتھ لینے سے تامل کرنے کے جملے لکھنا درست نہیں۔

ب۔ مرزا مظہر کی دادی اسد خان کی بہن نہیں بیٹی تھی۔ آزاد نے بہن لکھا ہے۔

ج۔ مرزا صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک دھوبن گھر میں ڈال لی تھی۔

د۔ یہ بیان بھی درست نہیں ہے کہ مرزا مظہر کا قاتل سنی تھا۔ نیز قاتل ایک تھا جو مٹھائی کی ٹوکری لایا تھا۔ حالانکہ قاتل تین تھے اور مٹھائی کا ذکر نہیں۔ آزادؔ نے دعویٰ کیا ہے کہ گولی کا نشان دیوار میں موجود تھا اور ذوقؔ نے خود دیکھا تھا۔

ر۔ مرزا مظہر کی حسن پرستی کا ذکر کیا گیا اور مظہر اور تاباں کا قرب بھی ثابت کیا گیا ہے۔

مرزا مظہر جان جاناں کی حسن پرستی کے حوالے سے ''آب حیات'' کا دفاع کرنے والوں نے ''مقامات مظہری'' سے یہ حوالے پیش کیے ہیں کہ تصوف میں عشق مجازی عشق حقیقی کی سیڑھی سمجھا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے مرزا مظہر کے اقوال اور دیگر تذکروں سے ثبوت فراہم کیے ہیں۔ جہاں تک ان کے قتل اور شہادت کے حوالے سے آزاد نے جو دعویٰ کیا ہے کہ ان پر حملہ کرنے والا سنی العقیدہ تھا اور دھوبن کے واقعے کے ثبوت، مسعود حسن رضوی پر واجب الادا ہیں اور خود آزادؔ بھی تذبذب کا شکار ہیں۔ البتہ بہن اور بیٹی کے بیان میں آزادؔ سے غلطی ہوئی ہے، وہ اتنی زیادہ قابل گرفت نہیں ہے۔

۲۶۔ میر تقی میرؔ کے تذکرے کے ضمن میں آزادؔ پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

ا۔ میرؔ کو بد دماغ اور خود پسند بتایا گیا ہے۔

ب۔ میرؔ کے والد کا نام اور میرؔ کے تخلص پر والد کا روکنا، من گھڑت ہے۔

ج۔ دلی سے سفر کے لیے میرؔ کے پاس پیسے نہ ہونا اور دوسرے مسافر کے ساتھ سفر کرنا، آزادؔ کی اختراع ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

د۔ لکھنو پہنچ کر مشاعرے میں میر کا طنز کا جواب دینا بھی کذب بیانی ہے۔

ر۔ صف الدولہ کے ساتھ بدکلامی کرنا بھی جھوٹ ہے۔

س۔ میر کی عمر سو سال ہونا بھی آزاد کی اختراع ہے۔

ص۔ میر کا اردو میں وسواخت کا موجد ہونا اور مثنوی کا نام بدلنا، غلط بیانی ہے۔

ط۔ امرائے لکھنو کا میر کے پاس کلام سننے جانا اور میر کی بدکلامی، آزاد کی من گھڑت روایت ہے۔

ع۔ میر کا سعادت علی خان کے دربار میں جانا اور تکریم ہونا بھی ثابت نہیں۔

ف۔ میر کا ایک مصرع میں اس قدر مستغرق ہونا کہ کسی کا پتہ ہی نہ چلے حالانکہ وہ مصرع انکا ہے ہی نہیں یہ سب آزاد کی اختراع ہے۔

آزاد کے حامیوں کا خیال ہے کہ جہاں تک یہ اعتراض ہے کہ میر تقی میر کے والد کا نام عبداللہ آزاد کی اختراع ہے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ "ذکر میر" میں یقیناً میر نے ان کا نام میر علی متقی لکھا ہے لیکن آزاد سے پہلے طبع ہونے والے تین تذکروں یعنی ناصر کا تذکرہ "خوش معرکہ زیبا"، نساخ کا تذکرہ "سخن شعرا" اور محسن کا تذکرہ "سراپا سخن" میں ان کا نام عبداللہ ہی درج ہے۔ اگر یہ کذب بیانی ہے تو آزاد کی بجائے ان متقدمین کے سر ہے۔

ڈاکٹر اسلم فرخی لکھتے ہیں:

> "آزاد نے میر کے والد کا نام عبداللہ لکھا ہے۔ نساخ اور محسن کی تقلید میں انھوں نے ایسا کیا ہے۔ سعادت خان ناصر نے خوش معرکہ زیبا میں بھی میر کے والد کا نام میر عبداللہ ہی لکھا۔ آزاد 'ذکر میر' سے واقف نہیں تھے اس لیے انھوں نے وہی نام لکھا جو متداول تھا۔ یہ کوئی ایسی غلطی نہیں جس پر آزاد کو مطعون کیا جائے۔ جب 'ذکر میر' کی موجودگی میں مولوی عبدالحق میر کے والد کا نام دریافت کرنے میں دھوکا کھا گئے تو پھر بیچارے آزاد کے سر کیا الزام۔ انھوں نے جو دوسروں سے سنا وہی لکھا۔"(۱۱)

میر کے تذکرے میں آزاد پر سب سے بڑا الزام جو آتا ہے وہ میر کی نازک مزاجی اور بد دماغی ہے۔ بہت سے دیگر اعتراضات بھی اسی سے وابستہ ہیں۔ آزاد پر بہت بڑا الزام عائد کیا جاتا ہے کہ انھوں نے میر تقی میر کو نازک مزاج اور بد دماغ قسم کا انسان ظاہر کرتے ہوئے ان کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ ان کے شایان شان نہیں ہیں۔ آزاد کو چاہیے تھا کہ میر کے مزاج کو "ذکر میر" کے آئینے میں نہیں دیکھتے۔ بعض تنقید نگاروں کا خیال ہے کہ آزاد نے میر کے مزاج کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ آزاد کی داستان تراشی نہیں ہے بلکہ قاسم کا "مجموعہ نغز"، ہمدانی کا تذکرہ "عقد ثریا" اور یکتا لکھنوی کی "دستور الفصاحت" میں میر کو انھی الفاظ میں یاد کیا گیا ہے۔ آزاد کا میر کے مزاج اور طبیعت کے بارے میں بیان ان کے پیشروؤں سے ذرا مختلف نہیں ہے۔ شاید انھوں نے میر کے مزاج کی کیفیت انھیں ذرائع سے حاصل کی ہو۔

ڈاکٹر اسلم فرخی لکھتے ہیں:

> "نکات ایک سو دو شاعروں کے حالات پر محیط ہے جن میں سے بتیس دکنی اور گجراتی ہیں۔ میر نے شعرا کے حالات مختصر طور پر بیان کیے ہیں اور ان کے کلام پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے جو بعض اوقات طنز، تعریض اور تحریف کی حد تک جا پہنچتا ہے۔۔۔۔۔ ان خوبیوں کے باوصف میر کی بد دماغی، بے نیازی اور طنز و تعریض نے نکات کے دامن کو کہیں کہیں داغ دار بھی کر دیا ہے۔"(۱۲)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

آزادؔ کے متقدمین تذکرہ نگار بھی میرؔ کے اس رویے پر آواز بلند کرتے رہے ہیں۔ان کے تذکروں میں میرؔ کی خود پسندی کی منظر کشی موجود ہے۔مولوی کریم الدین نے اپنے تذکرے میں اس جانب توجہ دلائی ہے۔

کریم الدین لکھتے ہیں:

''میرؔ سب تذکرہ نویسوں سے اور ہی طور چلا ہے۔وہ ہر ایک شاعر پر طعنہ آمیز گفتگو کرتا ہے اور چوری شعرا کی بیان کرتا ہے اور مقام غیر تحقیق یا معیوب عروض میں پاتا ہے اس کو اصلاح دیتا ہے۔''(۱۳)

اسلم فرخی نے جہاں جہاں آزادؔ سے تسامح واقع ہوا،اس کو تسلیم کیا۔انھوں نے بہت سے مواقع پر ان کی تاریخی غلطیوں کی نشاندہی کی۔لیکن میرؔ کی بارے میں خود پسندانہ طبیعت کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

اسلم فرخی لکھتے ہیں:

''میرؔ کی نازک مزاجی اور بد دماغی کے بارے میں آزادؔ نے جو کچھ لکھا ہے وہ کوئی نئی بات اور انوکھی بات نہیں۔میرؔ پرست جو چاہیں کہیں،واقعہ یہ ہے کہ تمام تذکرے ان کے غرور اور بد دماغی کے شاہد ہیں۔آزادؔ نے اس سلسلے میں احترام کا پہلو مد نظر رکھا ہے۔''(۱۴)

تنقید نگاروں کا خیال ہے کہ میرؔ کے سفر کا جو واقعہ آزادؔ نے لکھا ہے اسی قسم کی ایک حکایت سعادت خان ناصر نے بھی بیان کی ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آزادؔ نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور موجود ہے اور اسے مکمل طور پر جھٹلانا ناانصافی ہے۔

آزادؔ کو محض اس لیے بھی مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا کہ یہ بات ان کے علاوہ کسی نے نقل نہیں کی۔میرؔ کا مشاعرے کا واقعہ آزاد نے جس انداز سے بیان کیا ہے۔اس حوالے سے اسلم فرخی لکھتے ہیں:

''رہ گیا مشاعرے کا واقعہ تو اس کے متعلق آزاد کے علاوہ کسی اور نے کچھ نہیں لکھا۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے خواہ مخواہ غلط مان لیا جائے۔ممکن ہے یہ روایت آزاد نے اپنے بزرگوں کی زبانی سنی ہو یا پھر انھیں اس کا علم میر کلو عرش کے ذریعے ہوا ہو۔''(۱۵)

میر تقی میر کا آرزوؔ سے رنجیدہ ہونا بھی قرین از قیاس ہے۔میرؔ نے اگرچہ نکات الشعرا میں اس قصے کو نہیں چھیڑا لیکن آپ بیتی میں بیان کر دیا ہے۔اس لیے یہ بھی آزاد کی ایجاد نہیں ہے بلکہ حقیقت سے تعلق رکھتا ہے۔مولوی عبدالحق اور دیگر نقادوں نے اس امر کی توثیق کر دی ہے۔

آزادؔ نے میرؔ کی خود پسندی کے جو واقعات بیان کیے ہیں،ان میں سے بعض کے حوالے ابھی تک میسر نہیں آسکے۔لیکن آزادؔ کو'' نکات الشعرا'' کا مطالعہ کرنے کا درس دینے والوں کو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ میرؔ نے اپنے تذکرے میں بعض شعرا کے بارے میں جو رائے دی ہے،وہ قابل ستائش ہے؟شعرا سے متعلق میرؔ کی یہ آرا ان کی خود پسندی کی ناقابل تردید مثالیں تو نہیں؟چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

''شیخ محمد حاتم: مرد یست جاہل

آنند رام مخلص: آن ہم در سلیقہ،سرقہ یکہ بودہ است

شہاب الدین ثاقب: در ہمہ چیز دست دارد،ہیچ نہ می داند

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

رسوا: آوارہ دشت گمراہی

صلاح الدین تمکین: جوانے بے تمکینے

کمترین: بندہ شعر معقول اونہ شنیدہ ام

قدرت اللہ قدرت: عاجز سخن است"(۱۶)

۳۰۔ انشاءاللہ خان انشاء کے تذکرے میں بھی آزادؔ پر تنقیدی سوالات کی بوچھاڑ کی گئی ہے۔ مثلاً:۔

ا۔ انشاء کا مرشد آباد سے دلی آنا بھی غلط ہے۔ وہ فیض آباد سے آئے۔

ب۔ انشاء کی آمد کے وقت میرؔ دلی میں نہیں تھے کہنا غلط ہے۔

ج۔ انشاءاور نابینا شاہ عالم کی حکایتیں من گھڑت ہیں۔

د۔ مرزا سلیمان شکوہ انشاء سے پہلے مصحفی سے اصلاح لیتے تھے یہ غلط ہے۔

ر۔ انشاء کا تفضل حسین کے توسط سے سعادت علی خان کے دربار میں جانا بعید از قیاس ہے۔

س۔ انشاء کے دیوان کو محض مسخرا پن کہنا بھی غلط ہے۔

ص۔ انشاءاور مصحفی کے معرکوں کے وقت سعادت علی خاں شکار پر تھے وہ افسوس کرتے تھے، اس میں بھی کافی جھول ہے۔

ط۔ انشاءاور سعادت علی خاں کا ننگے سر والا واقعہ بھی من گھڑت ہے۔ نواب سعادت علی خاں کے حوالے سے بہت سی باتیں من گھڑت ہیں۔

ع۔ انشاء کے بیٹے کی وفات اور جنون کے بیانات سراسر بناوٹی ہیں۔

درج بالا الزام لگانے والوں کا خیال ہے کہ آزادؔ انشاءؔ کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہو گئے۔ ان کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ کیونکہ بات صرف اتنی ہے کہ انھوں نے ادبی محقق کی طرح انشا کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ کمزوریوں کو بھی شامل کیا ہے۔ وہ اجمالی طور پر انشاؔ کے حمایتی نظر آتے ہیں، ورنہ انشا کے بارے میں شیفتہ کا یہ تبصرہ "ہیچ صنف را بطریقہ راسخہ شعر نہ گفتہ" ان کے دل پر زخم بن کر نہ لگتا۔ اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ ڈاکٹر آمنہ خاتون آزادؔ کو انشاؔ کا حریف ظاہر کر کے تنقید کے تیر برسا رہی ہیں اور مولانا صلاح الدین انشاؔ کو آزادؔ کا ہیرو سمجھ رہے ہیں۔ اگر آزادؔ نے انشا کو گرانے کی کوشش کی ہوتی تو یہ متضاد آرا کیسے پیدا ہوتیں؟

انشاء کے حوالے سے جو اعتراضات آزادؔ پر کیے گئے ہیں۔ اس کا جواب آزادؔ کی حمایتیوں نے کچھ اس طرح دیا ہے کہ آزاد کو انشاؔ کے حوالے سے چند مغالطے ضرور تھے جن کا ثبوت دیگر تذکروں کی روشنی میں میسر ہے۔ تاہم آزادؔ نے انشاءاور نواب سعادت علی خاں کے جو لطائف اور واقعات لکھے ہیں۔ وہ شاید سینہ بہ سینہ آزادؔ تک پہنچے ہیں۔ اس لیے آزاد کو مکمل طور ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ واقعات درست ہوں یا ہو سکتا ہے وہ غلط ہوں لیکن آزادؔ نے جس طرح سنے تھے ویسے بیان کر دیے۔ لہٰذا آزاد کو مطعون کرنا درست نہیں ہے۔

اسلم فرخی لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

''آزادؔ نے انشا اور سعادت علی خاں کے متعدد لطیفے مزے لے لے کر بیان کیے ہیں۔ان میں سے بیشتر آزاد کی تخلیقی قوتوں اور کمال انشاپردازی کے مظہر ہیں۔اس سلسلے میں آزاد کو مطعون کرنا درست نہیں کہ یہ لطیفے آزاد تک زبان در زبان پہنچے تھے۔''(۱۷)

جہاں تک انشاؔء کے بیٹے کی وفات کا تذکرہ ہے اور انشا کی دیوانگی کا واقعہ ہیں۔دو باتوں میں تو کوئی شک نہیں کہ انشاء کو بیٹے کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا اور وہ آخری عمر میں دیوانگی کا شکار بھی ہو گئے تھے۔اس پر اسناد موجود ہیں، جنھیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔آزادؔ کے علاوہ یکتا لکھنوی جو کہ انشاء کے ہم عصر تھے ان کا قول ہے کہ انشاء آخری زمانے میں مجنون ہو گئے تھے اور اسی حالت میں انتقال کیا۔

انشاؔء کے ضمن میں اب بھی بہت سی باتیں بے سند ہیں،ان کی سند درکار ہے۔

۳۲۔ ناسخؔ لاہور سے گئے تھے اپنے والد کے ساتھ یہ بھی غلط ہے۔ناسخ نے غازی الدین حیدر کی قصیدہ خوانی سے انکار کیا اور لکھنؤ چھوڑا یہ بھی غلط ہے۔ناسخ کا قصیدہ سوا لاکھ روپے والا واقعہ بھی بعید از قیاس ہے۔

آزادؔ نے ناسخؔ کے حوالے سے جو معلومات درج کی تھیں،ان میں زیادہ تر حصہ عظیم اللہ رعنی کے خطوط ہیں جو انھوں نے آزاد کے مکتوبات کے جواب میں لکھے۔آزاد اتنا قصوروار ہیں کہ انھوں نے تنقیح نہیں کی اور ان پر اعتماد کیا۔تاہم قصیدے اور انعام کے حوالے سے کوئی سند میسر نہیں ہے۔

۳۳۔ الزام ہے کہ آتشؔ کے حالات میں بھی تخیلاتی رنگ غالب ہے۔ان کی موت کو اچانک ظاہر کیا۔حالانکہ وہ دو ہفتے بیمار رہے۔آتشؔ و ناسخؔ کے معرکوں میں آتشؔ نے ناسخؔ کا جواب اسی زمین میں دیا،یہ جواب ان کے شاگرد نے دیا ہے۔آتشؔ اور مصحفیؔ کے معرکے میں بھی تخیل کی کارفرمائی ہے۔کلیات آتشؔ بعد میں شائع ہونا بھی غلط ہے۔یہ ان کی زندگی میں مرتب ہوا۔آتشؔ کو شاگرد نے نماز سکھائی وہ سنیوں والے طریق سے یہ بات بھی درست نہیں۔

آتشؔ کے ضمن میں آزادؔ پر اعتراضات کی بابت ڈاکٹر اسلم فرخی یہ تسلیم کرتے ہیں:

''ان معمولی اعتراضوں سے قطع نظر آزادؔ نے آتشؔ کی تصویر بڑی محنت اور سلیقے سے تیار کی ہے اور ان کی شاعری پر بھی سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔اس طرح انھوں نے دبستان لکھنؤ کے اس مقتدر شاعر کو ہم سے بہت قریب کر دیا ہے۔''(۱۸)

یقیناً آتشؔ کے ضمن میں بعض غلطیاں معمولی قسم کی ہیں اور آزادؔ نے ان کی تصویر بھی بہترین پیش کی ہے۔تاہم کچھ اعتراضات کے جوابات ابھی بھی واجب الادا ہیں اور محققین کو دعوت فکر دے رہے ہیں۔

۳۶۔ ذوقؔ کے تذکرے میں آزادؔ بہت سے اعتراضات کی زد میں آئے۔ محققین کے اعتراضات کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

آزادؔ نے ذوقؔ کی تعریف اور حالات میں مبالغے سے کام لیا۔ان کے والد کو سپاہی کہا گیا ہے حالانکہ وہ نائی تھے یا دربان۔آزاد کے بقول وہ بیس سال ذوق کے ساتھ رہے یہ غلط ہے وہ سرے سے ذوق کے شاگرد ہی نہیں تھے۔انھوں نے اپنے بعض مضامین میں اپنے آپ کو ذوق کا شاگرد نہیں لکھا اور ذوق کے شاگرد بھی یہ دعویٰ قبول نہیں کرتے۔مزید یہ کہ آزاد ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے اور ذوق کی وفات ۱۸۵۴ء، میں ہوئی۔وہ عیش کے شاگرد تھے نہ کہ ذوق کے۔آزاد نے معروف کو ذوق کا شاگرد بتایا ہے،تردید کے باجود دوسرے ایڈیشن میں آزاد نے اصلاح نہیں کی۔انھوں نے یہ الزام عائد کیا ہے کہ شاہ نصیر ذوق کے جن اشعار کو کاٹ دیتے تھے وہ ان کے بیٹے کے کلام میں شامل ہو جاتے تھے۔ذوق کو معروف کا شاگرد ثابت کرنا بھی غلط بیانی ہے۔آزاد کو ذوق کے اساتذہ سے دشمنی ہے۔ذوق نے انیس سال کی عمر میں اکبر ثانی کی شان میں قصیدہ لکھا جس میں ۱۸ زبانوں کے الفاظ موجود تھے۔اس پر انھیں خاقانی ہند کا خطاب ملا۔اس واقعے پر بھی مورخین کو سخت اعتراض

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ہے۔آزاد نے ذوق کی زبانی لکھا ہے کہ انھوں ساڑھے تین سو دیوان اساتذہ سلف کے دیکھے اور خلاصہ لکھا، دیوان ذوق میں یہ تعداد ساڑھے سات ہو گئی، لیکن ایک بھی خلاصہ دستیاب نہیں ہے۔ذوق کو کئی علوم وفنون کا استاد کہا گیا ہے، جس میں علم نجوم کو بھی شامل کیا گیا ہے، یہ سب افسانہ ہے۔بہادر شاہ ظفر کے دیوان ذوق کے مرہون منت ہیں، یہ بھی درست نہیں ہے۔

نقادان ادب کے بقول ذوقؔ اور بہادر شاہ ظفرؔ کے حوالے سے آزادؔ پر جو اعتراض کیا گیا ہے کہ انھوں نے بہادر شاہ ظفرؔ کے دیوان کو ذوقؔ کا دیوان قرار دیا ہے۔حالانکہ ذوقؔ اور بہادر شاہ کا رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔اس سلسلے میں عرض ہے کہ قادرالکلام شاعر کے لیے کئی رنگوں میں شعر کہنا بعید از قیاس نہیں ہے جیسا کہ ہادی رسواؔ نے امراؤ جان ادا میں فرضی ناموں کے مختلف شعرا کے اشعار کو کئی رنگوں میں بیان کیا، حالانکہ ان تمام اشعار کے خالق رسواؔ ہیں۔بہادر شاہ کے لیے ذوقؔ کا شعر کہنا مختلف حوالوں سے ثابت بھی ہے۔ڈاکٹر اسپرنگر کا یہ قول بھی تصدیق کے لیے کافی ہے:

> ''وہ (ذوق) اس دیوان کے مصنف ہیں جو بادشاہ دہلی متخلص ظفرؔ سے منسوب ہے۔۔۔وہ (ظفرؔ) اس دیوان کے مصنف ہیں، جو حقیقت میں ذوق کا کہا ہوا ہے۔''(۱۹)

بدقسمتی سے ایسے قرائن موجود ہیں کہ بہادر شاہ ظفر کے اساتذہ نے اپنے شاگرد خاص کے کلام کی اصلاح کی کوشش میں اپنے کلام سے نوازا۔آزادؔ ذوقؔ کے ضمن مخالفین کے نزدیک غلط بیانی سے کام لیا اور اکبر ثانی پر تہمت باندھی۔ذوقؔ کی وفات کے بعد بہادر شاہ ظفر کے کلام کی اصلاح کی ذمہ داری مرزا غالبؔ کے حصے میں آئی۔غالبؔ کے ضمن میں بھی ایسے قرائن موجود ہیں جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان استادوں کو اصلاح کے ساتھ ساتھ اضافی خدمات بھی سرانجام دینی پڑتی تھیں۔کس کس ثبوت کو جھٹلایا جائے گا۔غالبؔ کے نامور شاگرد اور اردو کے اولین نقاد مولانا الطاف حسین حالی بھی غالبؔ کی بدیہہ گوئی میں ایسا ہی واقعہ بیان کریں تو پھر کیا جواب دیا جائے گا۔

مولانا حالیؔ یادگار غالب میں لکھتے ہیں:۔

> ''ناظر حسین مرزا مرحوم کہتے تھے کہ ایک دن میں اور مرزا صاحب (غالب) دیوان عام میں بیٹھے تھے کہ چوب دار آیا اور کہ حضور (ظفر) نے غزلیں مانگی ہیں۔مرزا نے کہا ذرا ٹھہر جاؤ اور اپنے آدمی سے کہا کہ پالکی میں کچھ کاغذ رومال میں بندھے ہوئے رکھے ہیں، وہ لے آؤ۔وہ فوراً لے آیا۔مرزا نے جو اس کو کھولا تو آٹھ نو پرچے جن پر ایک ایک دو دو مصرعے لکھے ہوئے تھے، نکالے اور اسی وقت قلم دوات منگوا کر ان مصرعوں پر غزلیں لکھنا شروع کر دیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے آٹھ یا نو غزلیں تمام کمال لکھ کر چوب دار کے حوالے کیں۔''(۲۰)

ذوقؔ کے تذکرے میں آزادؔ پر اعتراضات کی فہرست کافی طویل ہے۔آزادؔ کے حمایت میں جو قلم اٹھے ہیں وہ محض بہادر شاہ ظفرؔ کے کلام کے قصہ نیے تک محدود ہیں۔بہت سے جوابات واجب الادا ہیں جن کی سند پیش نہیں ہو سکی۔البتہ معترضین کے ہاں بھی ایک تضاد دکھائی دیتا ہے۔وہ یہ کہ ایک طرف وہ آزادؔ پر ذوقؔ کے شاگرد ہونے کے باعث طرف داری کا الزام لگاتے ہیں اور دوسری طرف انھیں ذوقؔ کا شاگرد ماننے میں بھی تامل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔قصہ کیا ہے؟ واللہ اعلم۔

۳۸۔ آزادؔ کے نکتہ چین یہ خیال کرتے ہیں کہ انھوں نے ذوق پسندی میں غالبؔ کی تصویر کشی میں ڈنڈی ماری ہے۔ان کے اعتراضات درج ذیل ہیں:۔

ا۔ غالبؔ کے تخلص کے حوالے سے غلط فہمی پھیلائی گئی ہے۔

ب۔ غالبؔ کے کلکتہ جانے، دیوان کے چھپنے وغیرہ کے سنین میں بھی چند سالوں کا فرق ہے۔

ج۔ جیل سے رہائی کے وقت کرتا پھاڑنے کا واقعہ بھی من گھڑت ہے۔

د۔ آزادؔ کو غالبؔ سے نفرت ہے، ان کے تجزیے میں اظہار نفرت مضمر ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اس حوالہ سے احسن فاروقی لکھتے ہیں:

''یہ الفاظ مطلب ضرور ادا کرنا چاہتے ہیں، مگر صاف مطلب سے گریز کرتے نظر آتے ہیں۔ہاں ان میں صاف صاف تو نہیں مگر اظہار نفرت ضرور مضمر ہے۔''(۲۱)

مسعود حسن نے آزادؔ کا خیال ہے کہ آزادؔ نے غالبؔ کے حالات جاننے کے لیے نواب علاؤالدین اور ذکاءاللہ کو خطوط لکھے۔انھوں نے جو معلومات فراہم کیں،ان پر یقین کیا۔نواب علاؤالدین نے تخلص کی تبدیلی کی وجہ مع شعر اپنے خط میں شامل کی ہے۔دیوان غالبؔ کی اشاعت کے سن کے راوی بھی علاؤالدین ہیں۔

آزادؔ نے غالبؔ کے حالات، مذہب، شاعری، تخلص، خاندانی حالات کے بیان میں مذکورہ بالا شخصیات پر اعتماد کیا۔دونوں صاحبان کے خطوط محفوظ بھی ہیں اور'' نگار'' رام پور میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

مولوی ذکاءاللہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''مرزا غالب کا حال یہ ہے کہ سوائے شاعر ہونے کے اور کوئی خوبی اس میں نہ تھی۔حسد اس قدر تھا کہ کسی کی عزت کو نہ دیکھ سکتا تھا۔سنگ دل ایسا تھا کہ سارے بھائی بندوں کی حق تلفی کرنے میں اس کو افسوس نہ تھا۔جس روز ذوق مر گیا تو خوش ہو ہو کے کہتا تھا کہ بھٹہ یاروں کی بولی بولنے والا مر گیا۔۔۔طامع ایسا تھا کہ ایک ایک قصیدہ دس دس جگہ بیچتا تھا۔اس لیے قصائد میں یہ نہیں لکھا کہ کس کی تعریف میں ہے۔بلکہ ان پر نمبر لگائے ہیں سیز دہم، دہم، نہم۔''(۲۲)

باوجودیکہ کہ آزادؔ ذوقؔ کے شاگرد خاص تھے اور ذوقؔ اور غالبؔ کی چشمک زبان زد عام تھی۔لیکن آزادؔ نے دیانت داری سے غالبؔ کی شخصیت کو پیش کرنے کی کوشش کی۔مزید یہ کہ غالبؔ کا ذوقؔ کی وفات پر خوش ہونا اور طنز کے نشتر چلانے کا واقعہ غلط یا صحیح آزادؔ کی نگاہوں کے سامنے تھا۔لیکن انھوں نے جانبداری کا مظاہرہ نہ کیا اور غالبؔ کی شخصیت کے ساتھ پورا انصاف کیا۔یہ آزاد کا بڑا پن اور محقق اور نقاد ہونے کی علامت ہے۔آزادؔ کی اس غیر جانبداری کو نقادان ادب نے بھی تسلیم کیا۔

بقول اسلم فرخی:

''مرزا غالبؔ کی شخصیت کو آزاد نے بڑی خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔وہ مرقع آب حیات میں اپنی خاندانی آن بان، ظرافت طبع، حسن مذاق، خودداری، احباب نوازی، دقت پسندی اور پوری انفرادیت کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔آزاد ان کی دلچسپ اور رنگا رنگ شخصیت کو دنیا کے سامنے پیش کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوئے ہیں۔''(۲۳)

آزادؔ نے ذوقؔ کو غالبؔ پر فوقیت دی۔شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انھوں نے غالبؔ کی مشکل پسندی کا دور دیکھا ہو اور ذوقؔ کا طوطی بولنے کا دور مد نظر رہا ہو۔غالبؔ کی مشکل پسندی کی شکایات دیگر ذرائع سے بھی میسر ہیں، یہی وجہ تھی کہ غالبؔ سہل پسندی کی جانب مائل ہوئے۔بحیثیت شاگرد اگر انھوں نے ذوقؔ کو فوقیت دی تو بعید از قیاس نہیں۔شاگرد کو بہر حال اپنا استاد ہی سب سے بہتر لگتا ہے، جبھی تو وہ اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتا ہے۔ویسے بھی کسی شاعر کو دوسرے شاعر پر فوقیت دینے سے کون سی ادبی بدنیتی ثابت ہوتی ہے۔آزادؔ واحد شخص نہیں تھے جو ذوقؔ کو بڑا شاعر مانتے تھے اور بھی بہت سے نقادان ادب جن میں امیر بدایونی، حسرت موہانی، جوش ملسیانی اور آغا باقر ایسی شخصیات شامل ہیں جو ذوقؔ کی برتری کے قائل تھے۔

۳۹۔ مولوی فضل حق کی رنڈی کا لطیفہ بھی فرضی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

مولانا فضل حق خیر آبادی جیسی شخصیت کے حوالے سے آزادؔ نے جو لطیفہ درج کیا ہے، تحقیق طلب ہے۔ مولانا خیر آبادی متبحر عالم دین تھے، بے سند بات درج کرنے سے ان کی شخصیت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لطیفے کا حوالہ آزادؔ کے حمایتیوں پر قرض ہے۔

جتنے اعتراضات اور تنقید ''آب حیات'' پر کی گئی ہے اتنی نقد شاید ہی کسی اور تخلیق کے حصے میں آئی ہو۔ نکتہ چینی کا سیلاب ہے جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا۔ آزادؔ کے حامیوں نے متعدد الزامات کا جواب دیا اور بہت سے حساب باقی بھی ہے، جسے چکانا ضروری ہے۔ محققین نے آزادؔ کی جن تسامحات کی نشاندہی کی اور وہ جواب طلب ہیں درج ذیل ہیں:۔

۱۔ بعض شعرا کی تاریخی ترتیب بھی درست نہیں مثلاً شاہ مبارک آبرو پہلے دور میں ہیں اور ان کے استاد خان آرزو دوسرے دور میں ہیں۔

۲۔ شاعروں کے شمول اور حذف پر اعتراضات ہیں۔ بعض نامی گرامی شعرا کو دوسرے ایڈیشن میں جگہ دی گئی۔ بہت سے شعرا کی کسی ایڈیشن میں بھی شمولیت یقینی نہیں بنائی گئی۔ ان میں کچھ خواتین اور چند ہندو شعرا کے نام آتے ہیں۔

۳۔ ''آب حیات'' کی فہرست نویسی پر بھی گرفت کی گئی ہے۔

۴۔ بعض چھوٹے شعرا کے لیے علیحدہ حصہ مخصوص کیا اور بعض بڑے شعرا کو حاشیے میں ٹانک دیا۔

۵۔ یہ شعر سودا کے کھاتے میں شامل کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سوزؔ کا شعر ہے۔

رستم رہا زمین پہ نے سام رہ گیا

مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا

۶۔ سودا کے قصیدے میں ایہام گوئی کا الزام ہے۔ جو شعر پیش کیا وہ مخمس کا شعر ہے۔

۷۔ مضمونؔ کا اپنے استاد آرزوؔ سے بڑے ہونے کا قول بھی دور از قیاس ہے۔

۸۔ احسن کا نام بھی درست نہیں اور مظہر کے شاگرد بھی نہیں۔

۹۔ وے صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں والا شعر سوداؔ کا نہیں بلکہ شیداؔ کا ہے۔

۱۰۔ فدویؔ کا احمد شاہ کی تعریف میں قصیدہ لکھنا اور بھاری انعام حاصل کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے، جب کہ ان کا دلی جانا ہی ثابت نہیں۔ اسی طرح فدویؔ کا لکھنؤ جانا بھی ثابت نہیں۔

۱۱۔ آزادؔ پر اعتراض ہے کہ جو انھوں نے درد کی کتاب ''علم الکتاب'' میں گیارہ رسالوں کے ہونے کا ذکر کیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ مزید یہ کہ شاہ عبدالعزیز اور سود آؔ کی طرف سے دردؔ پر طنزیہ مکالمے بھی اختراع ہیں۔

۱۲۔ وے صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں

اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

یہ شعر سوداؔ کے غیر معتبر خطی نسخے میں موجود ہے، معتبر خطی نسخے قابل اعتبار نسخے اس سے خالی ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

۱۳۔ برابری کا تیری گل نے جب خیال کیا

صبا نے مار طمانچے منھ اس کا لال کیا

آزادؔ نے یہ شعر بنام سودا لکھا ہے، لیکن اس کا ثبوت موجود نہیں ہے۔ تذکرہ قدرت اللہ شوق میں یہ مطلع فتح چند، ''ممنون'' کے نام سے ہے اور بعض مجموعوں میں پوری غزل حیدری کی طرف منسوب ہے۔

۱۴۔ میر سوزؔ کے حالات میں بھی سنین کی اغلاط ہیں۔ ان کا پری زادوں کی مجلس میں بے ہوش ہونا بھی غلط ہے۔ داغ پسر سوز کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کی کوئی غزل نہیں ملی غلط ہے۔ ان سے پہلے تذکروں میں ان کی غزلیں موجود تھیں۔

۱۵۔ سوداؔ کے اجداد کو کابل کے مغل قرار دینا بھی قابل گرفت ہے۔

۱۶۔ سوداؔ اور شاہ عالم والا واقعہ من گھڑت ہے۔ حالانکہ سوداؔ کی شاہ عالم سے کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔

۱۷۔ سوداؔ کے دیوان کو مصلح الدین نے ترتیب دیا یہ بھی غلط ہے۔

۱۸۔ سوداؔ اور فاخر مکین کا مناقشہ بھی بے اصل ہے۔ آزادؔ کے بقول سوداؔ نے جو ہجو یہ رباعی پڑھی وہ بھی ان کی نہیں۔

۱۹۔ راسخؔ کا سوداؔ کے پاس شاگرد ہونے کے لیے آنا اور شعر کہنا بھی من گھڑت ہے۔

۲۰۔ سوداؔ کے لڑکپن اور جعفر زٹلی کے بڑھاپے کا لطیفہ بھی اختراع ہے، حالانکہ یہ جعفر اور بیدلؔ کا واقعہ ہے۔

۲۱۔ سوداؔ اور ضاحک کا ایک دوسروں کے خلاف ہجوؤں کا چاک کرنا بھی جعل ہے۔

۲۲۔ مرزا عظیم بیگ اور میر قمر الدین کا بادشاہ کے دربار میں جانا آزادؔ کی کذب بیانی ہے۔

۲۳۔ نواب سراج الدولہ کا دلی جانا بھی غلط ہے۔

۲۴۔ میر حسنؔ کا دلی میں اپنے والد اور دردؔ سے اصلاح لینا ثابت نہیں ہے۔ میر حسن کی صرف تین مثنویوں سے آزاد واقف ہیں۔

۲۵۔ مصحفیؔ آصف الدولہ کے زمانے میں دلی سے لکھنؤ گئے تھے، یہ قول بھی غلط ہے۔ مصحفی کا بڑھاپے میں شادی کرنا بھی افتراع ہے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ مصحفیؔ شعر بیچتے تھے، پہلے ان کا سالا لیتا بعد میں اور۔

۲۶۔ آزادؔ کو شاہ نصیرؔ سے کد تھی۔ ان کے حالات میں بھی ڈنڈی ماری۔ شاہ محمدی مائل کے شاگرد تھے اور مائل قیام الدین کا، حالانکہ مائل قدرت کا شاگرد تھا۔ شاہ نصیر نے انگریز عمل داری میں زندگی گزاری یہ بھی غلط ہے۔ شاہ نصیر کی لغزش کا ذکر بھی غلط ہے کہ لکھنو کے مشاعرے میں انھوں نے مصرع میں تظلم کو بجائے ظلم باندھا۔ قدرت اللہ قاسمؔ کے ساتھ جو معرکے کا واقعہ لکھا ہے وہ بھی آزادؔ کی صناعی ہے۔ مجالس رنگیں کے حوالے سے یہ من گھڑت واقعہ لکھا ہے کہ رنگینؔ نے ایک شعر پر اصلاح دی تو نصیر برا مان گئے۔

۲۷۔ مرزا دبیرؔ کے حالات میں جو واقعات درج ہیں وہ بھی غلط ہیں۔ ناسخؔ کا دبیرؔ کو یہ کہنا کہ تو کتاب کو کیا جانے اور دبیرؔ کا لاٹھی لے کر مارنے کو دوڑنا بہتان عظیم ہے۔ یہ بھی غلط ہے آتشؔ نے دبیرؔ کے ایک مرثیے کو لندھور بن سعدان کی داستان قرار دیا تھا۔ مرزا دبیرؔ کا مرشد آباد جانا بھی تاریخ سے ثابت نہیں ہے، محض آزادؔ کی اختراع ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

برخلاف ان الزامات کے جن میں وزن پایا جاتا ہے، کچھ اعتراضات آزادؔ پر سطحی قسم کے عائد کیے گئے۔ یہ اعتراضات سنین سے متعلق ہیں کہ فلاں واقعے کا سن آزادؔ نے درست نہیں لکھا یا کسی واقعے میں چند سالوں کا تفاوت ہے۔ شاید اس زمانے میں سنین یاد کرنے کا جو طریق رائج تھا وہ آج سے قطعی مختلف تھا۔ ہمارے ہاں بہت سی کتابوں کی طباعت کے سنین میں، کسی کی پیدائش کے سال یا کسی کے کہیں آنے جانے کے سن میں محققین کے درمیان اختلافات موجود ہیں۔ آزادؔ کو اس جرم سے معافی ملنی چاہیے، اس طرح کی غلطی کاتب کی کار گزاری بھی ہو سکتی ہے۔

ایسے اعتراضات کی ایک جھلک درج ذیل اعتراضات کی صورت میں دکھائی جاتی ہے:۔

۱۔ ''نوطرز مرصع'' ۱۷۹۸ء میں دکھائی ہے حالانکہ یہ ۱۷۷۵ء سے بھی پہلے مکمل ہو چکی تھی۔

۲۔ عیش کی تاریخ وفات بھی غلط درج ہے۔

بادی النظر میں محسوس ہوتا ہے کہ بعض حضرات نے آزادؔ پر قلم ہی اس لیے اٹھایا ہے کہ انھیں نیچا دکھایا جا سکے۔ انھوں نے آزادؔ کے تسامحات جنھیں وہ بدنیتی پر محمول کرتے ہیں، کے انبار لگا دیے۔ انھوں نے اپنے ہدف تک پہنچنے کے لیے اعتراضات بھی جڑ دیے ہیں، جو محض ۳۰۰ کا عدد پورا کرنے کا باعث بنے۔ درج ذیل تین اعتراضات واضح مثال ہیں:۔

۱۔ آزادؔ نے جرات کے لکھنو آنے کا سن غلط لکھا ہے۔

۲۔ آزادؔ، عرش، خلف میر سے ملے تھے، لیکن ان کا نام میر عسکری لکھتے ہیں۔ صحیح میر حسن عسکری ہے۔

۳۔ آزادؔ نے لکھا ہے کہ مومن نے آرزدہ کے مکان پر گلستان سعدی کی تنقید کی، یہ غلط ہے بلکہ انھوں نے اپنے گھر میں تنقیص کی تھی۔

مذکورہ بالا الزامات سے کون سا تاریخی عقدہ حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے سمجھ سے بالاتر ہے۔ آزادؔ نے اگر ایک واقعہ کسی جگہ سے منسوب کیا اور وہ کام کسی اور جگہ ہوا، اس سے آزادؔ کی کونسی بدنیتی اور کذب بیانی واضح ہوتی ہے؟

تنقید تخلیق کی پرورش و پرداخت اور نکھار میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور تحقیق زمانے کی گرد کو جھاڑ کر حقیقت تک پہنچاتی ہے۔ بایں سبب تنقید اور تحقیق بہترین ادب کی تخلیق کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ اگر یہ سوتے خشک ہو جائیں تو صحت مند ادب کے پھلنے پھولنے کے امکانات ناپید ہو جاتے ہیں۔ ''آب حیات'' پر جو تنقیدی اور تحقیقی کاوشیں عمل میں آئی ہیں وہ قابل ستائش ہیں۔ جن حضرات نے آب حیات پر قلم فرسائی کی ہے وہ داد کے مستحق ہیں۔ تاہم تخلیق کی طرح تنقید اور تحقیق بھی بعض قاعدوں کی پابند ہیں۔ محقق اور نقاد ان اصولوں کو اپنانا فرض عین سمجھتا ہے۔ تنقید نگار اور تحقیق کار کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ بالکل غیر جانبدار رہیں۔ ان کی مساعی سے جانبداری اور ذاتی پسند و ناپسند کی بو بھی نہ آئے۔

افسوس کہ ''آب حیات'' پر تنقید کرنے والوں کی اکثریت دو گروہوں میں منقسم ہے۔ ایک گروہ آزادؔ پسند بنا اور دوسرے نے آزادؔ سے کدر کھنے کا تاثر دیا۔ شاید یہ رائے صائب نہ ہو لیکن جو مجھے محسوس ہوا، اسے ضبط قلم میں لانا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ عوامل پیش کیے جاتے ہیں جن سے تنقید نگاروں کی نگارشات پر سوالات اٹھتے ہیں۔

ڈاکٹر اسلم فرخی نے آزادؔ پر جو تنقید کی ہے وہ اس عیب سے مبرا ہے۔ کیونکہ انھوں نے آزادؔ کے صحیح کو صحیح کہا اور غلط کو غلط۔ بقیہ حضرات جو حصوں میں منقسم ہیں، ان میں ڈاکٹر محمد صادق اور مسعود حسن رضوی ادیب نے اپنی تنقید میں آزادؔ کو ہر عیب سے مبرا اور ان کے دامن کو ہر قسم کی آلایش سے صاف ستھرا قرار دیا۔ وہ آزادؔ کی حمایت میں جانبدار واقع ہوئے۔ انھوں نے بعض سنجیدہ اغلاط سے بھی صرف نظر کیا۔ ایسا رویہ نقاد کو زیب نہیں دیتا۔ ڈاکٹر محمد صادق کا مضمون ''آب حیات کی حمایت میں'' خود ان کی جانب داری کی چغلی کھا رہا ہے۔ مسعود حسن، آزادؔ پر لگایا گیا کوئی اعتراض قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، خواہ ان کے پاس سند بھی نہیں ہے۔ اگر تنقید کی یہ تعریف ہے کہ تنقید محاسن و معائب بیان کرنے کا نام ہے، پھر دونوں حضرات کی تنقید ستائش اور آزادؔ پرستی سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

قاضی عبدالودود، ڈاکٹر حافظ محمود شیرانی اور ڈاکٹر گیان چند جین کی کاوشوں کو من و عن تسلیم کرنے میں بھی تردد ہے۔ان کے قلم نے کچھ ایسے نشانات چھوڑے ہیں جو محقق اور نقاد کے دامن پر نہیں ہو سکتے۔

تحقیق کے معلم اوّل ڈاکٹر حافظ محمود شیرانی، جن کی تحقیقی کاوشیں اردو ادب کا عظیم سرمایہ ہیں۔ تحقیق کے ہر طالب علم کو حافظ صاحب کے تحقیقی کارناموں کا احسان مند ہونا چاہیے۔ مولانا محمد حسین آزادؔ کے پوتے آغا محمد باقر کے کہنے پر انھوں نے ''تنقید بر آب حیات'' کا سلسلہ شروع کیا۔ تین مضامین لکھے تھے اور ابھی میر ضاحک تک پہنچے تھے کہ ان کے پوتے کی ناراضی کے سبب انھوں نے یہ سلسلہ منقطع کر دیا۔ نقاد کی ہر کاوش ادبی خدمت کے جذبے کے تحت عمل میں آتی ہے۔ خواہ کوئی ناراض ہو یا خوش، تنقید نگار کو اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا۔ حافظ محمود شیرانی اگر ادبی ذمہ داری کے طور پر تنقید کر رہے تھے تو پھر آزادؔ کے پوتے کی ناراضی پر نقد کا سلسلہ روکنا، چہ معنی دارد؟

قاضی عبدالودود صاحب کی تحقیقی مساعی سے تحقیق کا ہر طالب علم واقف ہے اور ان کی تحقیقی اور تنقیدی مساعی اردو ادب کی آبرو ہے۔ آزادؔ کے ضمن میں انھوں نے جو مضامین لکھے وہ کتابی شکل میں مرتب ہو چکے ہیں۔ انھوں نے آزادؔ پر اپنی رائے کا آغاز ہی کچھ اس طرح کیا:۔

''اکثریت آزاد کی نثاری کی معترف ہے مگر یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ وہ تحقیق مرد میدان تھے۔''(۲۴)

قاضی عبدالودود نے مولانا محمد حسین آزادؔ کی مساعی کی جانچ پڑتال میں استقرائی تحقیق سے کام لیا ہے۔ استقرائی انداز کی کمزوری ہے کہ جب ایک رائے قائم کر لی جائے تو اس کو درست ثابت کرنے کے لیے زیادہ محنت درکار ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے ابتدا میں ہی آزادؔ کی تحقیق کو افسانہ قرار دے کر مفروضہ قائم کر لیا۔ اس مفروضے کو درست ثابت کرنے کے لیے انھوں نے آزادؔ کا مبتدایانہ پن اور اس زمانے کے معروضی حالات کو یکسر مسترد کر دیا۔ وہ اس تاثر کو زائل نہیں کر سکے کہ انھوں نے پہلے مفروضہ قائم کیا اور بعد میں اس مفروضے کو درست ثابت کرنے پر پورا زور لگایا۔ انھوں نے اپنی کتاب ''محمد حسین آزاد بحیثیت محقق'' میں جو ۱۳۰۰ اعتراضات جمع کیے ہیں، یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ انھیں ۳۰۰ کی گنتی پوری کرنے میں معمول سے زیادہ دقت اٹھانی پڑی۔

ڈاکٹر جین یقیناً اردو ادب کا قد آور نام ہے۔ ان کی ادبی خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ بصد احترام عرض ہے کہ ''اردو کی ادبی تاریخیں'' میں آب حیات پر جو تحقیق و تنقید کی گئی ہے ، تحقیق کا طالب علم ورطہ حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انھوں نے اپنے تجزیے کے آغاز میں ''آب حیات'' کے بارے میں لکھا:۔

''انھوں نے سب سے پہلے اردو زبان کی تاریخ لکھی۔ آج کی تاریخی لسانیات کے لحاظ سے مبتدیانہ ہے۔ اس میں کچھ اغلاط بھی ہیں۔ یہ آزاد کے زمانے کو دیکھتے ہوئے یہ بسا غنیمت ہے۔''(۲۵)

درج بالا تجزیہ اس امر کی غماضی کر رہا ہے کہ اگرچہ آب حیات میں دانستہ یا نادانستہ تسامحات کے واضح امکانات موجود ہیں لیکن پھر بھی بحیثیت مبتدی ادبی تاریخ نویس کے ان کی کاوش کو یکسر مسترد نہ کر دیا جائے بلکہ آب حیات جس کیفیت میں بھی ہے، اس کا وجود غنیمت مانا جائے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب جب اپنے تجزیے کے اختتام پر پہنچتے ہیں تو ان کا زاویہ نگاہ یکسر بدل جاتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:۔

''آزاد نے تحقیق میں ناول کے ہتھکنڈے کو استعمال کیا۔ مناسب ہو گا کہ ''آب حیات'' کو لائبریریوں میں ادبی تاریخ یا تذکروں کے خانے میں جگہ نہ دی جائے بلکہ ،داستان وافسانہ کے خانہ میں رکھا جائے۔ ادبی تاریخ اور ادبی شخصیات کے تصور کو اس کتاب نے جتنا نقصان پہنچایا ہے، اتنا کسی اور کتاب نے نہیں۔''(۲۶)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

تحقیق کے طالب علم کے لیے یہ جاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ ''آب حیات'' کے ضمن میں ان کا کون سا قول معتبر سمجھا جائے؟ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''آب حیات'' کو افسانہ اور ناول کے خانے میں سجانا تھا تو محترم ڈاکٹر صاحب نے اردو کی ادبی تاریخوں میں اسے جگہ دینے کی غلطی کیوں کی؟ لہٰذا اب کوئی اور ''آب حیات'' کو اردو ادب کی تاریخ سمجھنے کی غلطی کر لے تو اسے بھی معاف رکھا جائے۔

یہ سوال قابل توجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی رائے میں تفاوت پیدا ہونے کی وجہ کیا ہے؟ وجہ خود ڈاکٹر صاحب کا تنقیدی مطالعہ ہے۔ ''آب حیات'' کے جائزے میں تنقیدی ماخذات کے ضمن میں انھوں نے واضح طور پر اعتراف کیا ہے کہ وہ مسعود حسن رضوی کی کاوش نہیں دیکھ سکے۔ رضوی صاحب نے ''آب حیات'' کا دفاع کرنے میں نہایت جان فشانی سے کام لیا ہے اور انھوں نے بہت سے اعتراضات کا تسلی بخش جواب بھی بہم پہنچایا ہے۔ اگر ڈاکٹر گیان چند ان کی تحقیقی کاوش سے صرف نظر نہ کرتے تو شاید ان کی رائے میں نرمی پیدا ہو جاتی۔ ان کے ماخذات کا پلڑا آزاد مخالف مواد سے معمور رہا ہے، دوسرا رخ ان کو دستیاب نہیں رہا یا انھوں نے دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اسی طرح محمد صادق کا مضمون بھی ان کی نظر سے نہیں گزرا، جو آب حیات کی حمایت میں تحریر ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے سب سے زیادہ استفاد کس سے کیا اس کا جواب وہ خود فراہم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''سب سے زیادہ استفادہ قاضی عبدالودود کے کتابچے، اسلم فرخی کی کتاب، نیز عابد پیسہ شاوری کی کتاب ''ذوق اور محمد حسین آزاد'' سے اٹھایا گیا ہے۔''(۲۷)

اس بیان کے بعد کوئی الجھن باقی نہیں رہتی کہ گیان چند جین کی آب حیات کے بارے میں مذکورہ بالا رائے یہاں تک کیسے پہنچی۔

مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب ''آب حیات'' پر تنقید کے طویل سلسلے کو چند صفحات میں محدود کرنا ممکن نہیں ہے۔ معترضین نے سینکڑوں اعتراضات کا بوجھ ان کی گردن پر ڈالا ہے۔ انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اگر اعتراضات پر مکمل طور پر قلم فرسائی کی جائے تو شاید ''آب حیات'' سے بھی بڑی کتاب وجود میں آجائے۔ دوسری طرف دفاع کرنے والوں کا بھی دعویٰ ہے کہ اگر آزاد کے دفاع میں قلم اٹھایا جائے تو ایک ضخیم کتاب منصہ شہود پر آسکتی ہے۔ ان پر جو الزام لگائے گئے ہیں، زیادہ تر ان کے ماخذات سے متعلق ہیں کہ انھوں نے یہ حکایتیں کہاں سے لیں؟ دوسرا قابل لحاظ اعتراض سند کا ہے، یعنی جو کچھ بیان کیا ہے اس کا حوالہ درج نہیں کیا۔

آزاد نے تقریباً ۵۷ کتابوں کے حوالے شامل کیے ہیں۔ ان میں سے اکثر وہ کتابیں ہیں جو یا نایاب ہو چکی ہیں یا پھر چھپ چکی ہیں۔ آزاد کے زمانے میں اکثر کتابیں غیر مطبوعہ تھیں جن کو کھنگالنے کے لیے آزاد نے بہت محنت کی۔ لہٰذا یہ بات تو سراسر غلط ہے کہ انھوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا اور تمام مواد ان کا ایجاد کردہ ہے۔ آزاد کا قیمتی کتب خانہ، جو ''آب حیات'' کے بیشتر ماخذات تک رسائی کا سبب بن سکتا تھا، نذر آتش ہو گیا۔ ایک تذکرہ ''مجموعہ نغز'' کے منظر عام پر آتے ہی آزاد کی گردن بہت سے اعتراضات کے بوجھ سے ہلکی ہو گئی۔ اس لیے مسعود حسن رضوی ادیب کی اس رائے میں کچھ وزن دکھائی دیتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''آزاد نے کوئی بات بے بنیاد نہیں کہی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے بنیادی ماخذ ہمارے علم میں نہ ہوں۔ ایک قاسم کے تذکرے ''مجموعہ نغز'' کے منظر عالم پر آجانے سے آزاد کے کتنے بیانوں کی تصدیق ہو گئی ہے۔''(۲۸)

ہو سکتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ مزید ماخذات منظر عام پر آجائیں تو یہ بوجھ اور بھی کم ہو جائے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق کا تو کم از کم یہی خیال ہے کہ ایک وقت آئے گا، ماخذات تک رسائی کے بعد آزاد پر خفا ہونے والوں کی ناراضی جاتی رہے گی۔

مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

> ''لائق مولف آزاد مرحوم کی جن غلطیوں سے خفا ہیں، ان میں سے اکثر آج صحیح ثابت ہو رہی ہیں۔ اس کتاب ''آب حیات'' کی جن غلطیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے سوائے ایک آدھ کے سب صحیح ہیں۔''(۲۹)

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

آزادؔ نے بعض شعرا کو خود دیکھا یا ان کے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ زمانی قربت کی بدولت انھوں نے معمر بزرگوں سے جو سنا تھا وہ بھی درج کیا۔ یہ آج کا دستور ہے کہ بات کرنے والے سے سند مانگی جائے۔ اس زمانے میں یہ روایت نہیں تھی کہ جو درج کیا جائے اس کی سند بھی پیش کی جائے۔ انھوں نے بزرگوں سے سنی ہوئی باتیں بھی آب حیات میں شامل کر دیں۔ انھیں تحقیقی وسائل بھی اس کثرت سے میسر نہیں تھے جیسے دور حاضر کے محققین کو میسر ہیں۔ اس لیے ان کی کتاب کو اس زمانے کے مطابق پرکھا جائے۔

ڈاکٹر اسلم فرخی لکھتے ہیں:

> ''آزاد کے وسائل تحقیق بہت محدود تھے اس لیے انھیں زبانی روایتوں پر بھی اعتماد کرنا پڑا۔ ہمارے تحقیقی وسائل آزادؔ کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔۔۔ ان سب باتوں کے باوجود آزادؔ قصور وار یوں نہیں کہ انھوں نے زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھ کر عالم کے بجا کہنے کو بجا سمجھ لیا تھا۔''(۳۰)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعتراضات کی بنا پر ''آب حیات'' کو دریا برد کر دیا جائے یا مولانا محمد حسین آزادؔ کی اس کاوش کو مع تسامحات و اعتراضات کے قبول کر لیا جائے؟ یقیناً جس کتاب نے لاتعداد اعتراضات اور الزام تراشیوں کے باوجود اردو ادب میں اپنا وجود منوائے رکھا اس کو یکسر نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا۔ آزادؔ کی کاوش کو قبول کرنا ہوگا۔ ''آب حیات'' کو اردو ادب کی لائبریریوں سے اس لیے نکال دیں کہ اس کے تمام ماخذات تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی تو یہ ناانصافی ہے۔ یہ جس حال میں بھی ہے، بوجوہ اس کی اہمیت مسلم ہے۔ ان کی یہ مساعی کئی کئی جہات کی حامل ہے۔ ان جہتوں کو مختصراً قلم بند کیا جاتا ہے۔

''آب حیات'' کی ایک جہت تذکرہ نگاری ہے۔ آزادؔ نے منفرد انداز میں اردو تذکرہ نویسی کی جانب قدم بڑھایا۔ اپنے دستیاب وسائل کی بنیاد پر نہایت محنت سے تذکرہ ترتیب دیا۔ یہ اردو شعرا کا اولین تذکرہ مانا جاتا ہے۔ انھوں نے شاعروں کے حالات کو اس خوبی سے شامل کیا ہے کہ شعرا کی چلتی پھرتی تصویریں اور ان کا زمانہ اور ماحول بھی صفحات پر محو گردش ہیں۔

سید مسعود حسن رضوی ادیب لکھتے ہیں:

> ''آب حیات اردو شاعروں کا پہلا تذکرہ ہے، جس میں مصنف نے اردو کی کل شاعری پر نظر کر کے اس کو کئی عہدوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر عہد کی زبان اور شاعری کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد اس عہد کے نامی شاعروں کا حال اس تفصیل اور خوبی سے لکھا ہے کہ ان کی چلتی پھرتی، بولتی چالتی تصویریں کتاب پڑھنے والوں کے سامنے آ جاتی ہیں اور ساتھ ہی وہ زمانہ اور ماحول بھی نظروں میں پھر جاتا ہے، جس میں ان کی شاعری نے نشو و نما پائی تھی۔ آب حیات کی یہی وہ حیرت انگیز خصوصیت ہے، جس میں کوئی کتاب اس میں شریک نہیں۔''(۳۱)

''آب حیات'' میں شعرا اور ان کی شاعری پر پر مغز تبصرے شامل ہیں جو یقیناً تنقیدی اہمیت کے حامل ہیں۔ نقادانِ ادب میں ایک گروہ کو اسے تنقیدی کتاب تسلیم کرنے پس و پیش ہے۔ اس گروہ کا خیال ہے کہ ماسوائے نکتہ چینی کے اس کتاب میں کچھ نہیں رکھا۔ انھیں آزادؔ کے تبصروں پر بھی تحفظات ہیں۔

احسن فاروقی لکھتے ہیں:

> ''غرض یہ ہے کہ ''آب حیات'' کی تمام تنقیدی کائنات۔ اس کو کسی زبردست دھوکے کے ماتحت تنقید کہہ دیا جائے تو کہہ دیا جائے ورنہ لوٹ پھیر کر نکتہ چینی کی نکتہ چینی ہی رہتی ہے۔''(۳۲)

لیکن تنقید نگاروں کا ایک گروہ آزادؔ کی اس کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ان لائق نقادوں کا خیال ہے کہ ''آب حیات'' بہت بڑا تنقیدی سرمایہ ہے۔ اس سے شاعر اور تخلیق کے باہمی رشتے کو اس وقت کے ماحول کے ساتھ پیش کیا گیا۔

سید وقار عظیم لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

''آب حیات اردو شاعری کے ارتقا کی ایسی تنقیدی دستاویز اور اس سے بھی بڑھ کر ایسا صحیفہ ہے جس میں زندگی کی پوری گہما گہمی ہلچل اور تڑپ شاعری کی ہلچل اور تڑپ بنتی ہے اور اس طرح آب حیات پڑھ کر اردو شاعری کا مطالعہ کرنے والا پہلی مرتبہ محسوس کرتا ہے کہ جب تک شاعر کی زندگی اور شاعر کی زندگی کی نشوونما کرنے والا معاشرہ جیتا جاگتا ہمارے سامنے نہ آئے، شاعری کا مفہوم ادھورا رہتا ہے۔ پڑھنے والا اس سے عارضی لطف وانبساط تو حاصل کر سکتا ہے لیکن اس لطف وانبساط کو دائمی نہیں بنا سکتا۔''(۳۳)

اس کتاب میں جگہ جگہ تنقیدی نکات موجود ہیں۔ آزاد کی تحقیق کی طرح تنقید بھی معترضین کی زد میں رہی ہے۔ آزاد کی رائے کو ذاتی جذابات سے جوڑنے کی بات کی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کہیں آزاد جانبداری کی روش پر چلے بھی ہوں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ '' آب حیات'' مکمل طور پر معائب کا پلندہ ہے۔ آزاد کے مخالفین کا سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ انھوں نے اپنے قلبی جذبات کے سبب اعتدال کا دامن ہاتھ سے جانے دیا۔ کیا واقعی آزاد نے محبت اور نفرت کے جذبے میں گرفتار ہو کر اعتدال اور توازن کھو دیا تھا؟

سید وقار عظیم لکھتے ہیں:

''آزاد کی تنقید نے حد درجہ شخصی، جذباتی اور تاثراتی ہونے پر بھی اپنے دامن کو ان (اعتدال و توازن کو کھو دینے کے) کانٹوں میں الجھنے نہیں دیا۔ اور اس کی پاکیزگی کو ان داغوں سے محفوظ رکھا۔''(۳۴)

آزاد پر جانبداری کا جتنا بڑا الزام لگایا جاتا ہے، اتنی جانبداری آزاد میں نہیں پائی جاتی۔ آزاد کی اکثر شعرا کے بارے میں رائے نہایت صائب ہے۔ آزاد کی تنقیدی آرا قابل توجہ ہیں۔ کچھ نقاد یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان کی تنقیدی آرا کو مرتب کیا جائے تو اردو تنقید کی پہلی کتاب منصہ شہود پر آسکتی ہے۔

مسعود حسن رضوی ادیب لکھتے ہیں:

''ساری کتاب میں تنقیدی نقطے بکھرے پڑے ہیں۔ اگر ان کو مناسب ترتیب کے ساتھ یک جا کر دیا جائے تو نقد سخن کا ایک مفید رسالہ اور شاعروں اور نثر نگاروں کے لیے ایک کار آمد ہدایت نامہ تیار ہو جائے۔ اس اعتبار سے آب حیات کو اردو میں فن تنقید کی پہلی کتاب بھی کہہ سکتے ہیں۔''(۳۵)

آزاد کا تنقیدی اسلوب اور زبان و بیان نقادوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ انھوں نے تنقیدی اصطلاحیں اردو ادب کو عطا کی ہیں جن میں معانی و مفاہیم کا سرمایہ سمٹا ہوا ہے۔ خاص طور پر انھوں نے تنقید کو مشرقی لہجہ عطا کیا ہے۔ آزاد کو جن شعرا کا سخت ناقد خیال کیا گیا ہے، ان کے شاعری پر بھی آزاد نے نہایت منصفانہ رائے دی ہے۔ اس لیے ہمیں ان کی تنقیدی صلاحیتوں کو قبول کرنا ہوگا۔

سید وقار عظیم آزاد کی تنقیدی نگاری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''آزاد نے تنقید کو ایک خاص طرح کی زبان دی، جو اپنے مزاج میں خالص مشرقی ہے۔ اس زبان کی اصطلاحیں دیں جو معنی خیز اور نکتہ آفرین ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر ایک ایسا لہجہ دیا جو مشرقی اخلاص کے جملہ آداب کا حامل اور ترجمان ہے۔''(۳۶)

''آب حیات'' کا ایک اور پہلو ادبی تاریخ نویسی کا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں نظم پر بات کی، شاعری کے باب میں انھوں نے نظم کی تاریخ بیان کی۔ شعرا کے حالات میں ادوار بندی کو ملحوظ خاطر رکھا۔ آزاد کی ادوار بندی میں یقیناً کہیں نہ کہیں کمزوری کا احساس ہوگا، لیکن مبتدی سے اس قسم کی تسامحات کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ ''آب حیات'' کی ساخت میں تاریخ نویسی کا عنصر موجود ہے۔ آزاد نے ادوار بندی کی جو روش اپنائی ہے، اس کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

احسن فاروقی کے بقول:

''چند مخصوص صفات میں ''آب حیات'' تذکروں سے آگے بڑھ کر تاریخ ادب کے دائرے میں آتی ہوئی ضرور معلوم ہوتی ہے۔اس میں کچھ باتیں ایسی ضرور ہیں جو عام تذکروں میں نہیں ملتیں اور تاریخوں کا طرۂ امتیاز ہیں۔''(۳۷)

''آب حیات'' تذکرہ اور تاریخ کے سنگم پر واقع ہے۔اس کی ساختیاتی خصوصیات اسے ادبی تاریخ کی صف میں کھڑا ہونے میں نہایت ممد و مددگار ثابت ہوتی ہیں۔اس حوالے سے اگر کچھ نقاد اور محقق ''آب حیات'' کو اردو کی پہلی ادبی تاریخ اور آزاد کو پہلا ادبی تاریخ نویس جانتے ہیں تو ان کی رائے میں بھرپور وزن ہے۔

انیس ناگی کے بقول:

''آب حیات تاریخی اور انفرادی اعتبار سے ایک اہم دستاویز ہے۔آب حیات قدیم تذکرہ نگاری اور جدید ادبی تاریخ نویسی کے درمیان ایک سنگم کی حیثیت رکھتی ہے۔اس میں کچھ خصوصیات تذکرہ نویسی کی ہیں اور کچھ ادبی تاریخی کی۔مجموعی اعتبار سے اسے اردو شاعری کی پہلی ادبی تاریخ کہا جاسکتا ہے۔''(۳۸)

ڈاکٹر اسلم فرخی لکھتے ہیں:

''انھوں نے اپنی ادبی تاریخ کے لیے صرف نمائندہ شاعروں کو کافی سمجھا اور ان کے حالات لکھنے میں پوری پوری محنت کی۔ان کی شخصیت کو اجاگر کیا۔طرز کلام کو واضح کیا۔شاعرانہ خصوصیات پر بحث کی اور ادب میں ان کا مقام متعین کیا۔اس اعتبار سے بھی آب حیات ادبی تاریخ ہی کی صف میں جگہ پانے کی مستحق ہے۔تاریخ، تحقیق، تنقید یہ عناصر آب حیات میں اکثر جگہ نمایاں ہیں۔''(۳۹)

محمد حسین آزاد کو محقق، نقاد اور تذکرہ نگار ماننے سے تو بہت سوں کو گریز ہوگا لیکن ان کے صاحب طرز نثار ہونے پر کسی کو اعتراض نہیں ہے۔اس ضمن میں مخالفین بھی آزاد کے مداح بن گئے۔گویا اس جہت سے ''آب حیات'' نثر کا عظیم فن پارہ ہے۔آزاد کی جذبات نگاری، تخیلاتی بلندی، صوری کیفیت اور ماضی پرستی کی نادر و نایاب مثالوں کا حسن ''آب حیات'' کی میں پورے جوبن پر دکھائی دیتا ہے۔یہ بات سب مانتے ہیں کہ آزاد کے ذہن میں خیالات کی جو بھی کونپل پھوٹی ہے، تصویری شکل میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔وہ ارادتاً نقشہ نہیں کھینچتے بلکہ ان کی چشم تصور میں پورا تصویری البم جاگزیں ہوتا ہے۔وہ جب اسے لفظوں کی صورت میں کاغذ پر بکھیرتے ہیں تو آسمان قرطاس پر قوس قزاح کا سماں دکھائی دیتا ہے۔ان کا تمثیلی انداز بیان قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔جب تک آزاد نہ چاہے، قاری ان کی قید سے چھوٹتا ہی نہیں۔نادر تشبیہات و استعارات مولانا کے آگے ہاتھ باندھے منتظر ہوتے ہیں کہ وہ انھیں کب اور کہاں کام میں لاتے ہیں۔

حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

''اردو کیا فارسی میں بھی اس پائے اور انداز کی کوئی کتاب نہ ہوگی۔اردو میں فارسی کا مزہ، سادہ نثر، چھوٹے چھوٹے فقرے، ہلکی رنگ آمیزی، عبارت کا بانکپن، مضمون کی شوخی، لطیفوں اور چٹکلوں کی بھرمار، تاریخ میں افسانے کا رنگ، نثر میں نظم کا مزہ ایسی خصوصیات ہیں جو ہر شخص کو گرویدہ کرلیتی ہیں۔''(۴۰)

البتہ آزاد نے اردو شاعروں کی تصویر کشی میں اگر کہیں ذاتی رنگوں کو شامل کیا ہے تو وجہ یہ تھی کہ تصویر جاذب نظر ہو۔ایسا نہ ہو کہ ایسی بھیانک تصویر سامنے آئے کہ دیکھنے والا منہ پھیر کر بھاگ جائے۔آزاد نے ہجوؤں، فحش گوئی، باہم دست و گریبانیاں، شعرا کا معاصرانہ چشمک میں حد ادب سے گزرنا، آوازیں کس کر شریفوں کی عزت اتارنا، اس تاریخ کو شائستہ اور شگفتہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

طور بیان کر کے اردو شعرا اور شاعری کی لاج رکھی۔ آزادؔ کے قلم کا کمال ہے، جو قاری کو ماضی سے متنفر نہیں کرتا بلکہ گرویدہ بنا دیتا ہے۔ ''آب حیات'' کی اہمیت اور آزادؔ کا اردو شاعروں پر اس سے بڑھ کر کیا احسان ہو سکتا ہے کہ انھوں نے جس ماحول کو نہایت خوب صورتی اور عمدگی سے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے، اس کی ہلکی سی جھلک مولانا حالیؔ کے قلم نے یوں دکھائی ہے۔

> ''ایسا ہی حال مشاعروں کا تھا کہ وہاں بھی فحش اور بے حیائی یا کسی کی ہجو پر جس قدر تحسین و آفرین کا غل ہوتا تھا، اس کا عشر عشیر بھی ایک متین اور سنجیدہ کلام پر نہ ہوتا تھا۔۔۔(شاعر) بھرے مشاعروں میں ایک دوسرے پر اعتراض کرتا تھا، ایک دوسرے کی داد نہ دیتا تھا۔۔۔ شاگردوں کو حکم تھا بھری محفلوں میں حریفوں پر چوٹیں کرو، قہ قے لگاؤ۔۔۔ شعرا کے باہم رشک و حسد کا یہ حال تھا کہ جس شاگرد کو ہونہار جانتے تھے اور خاص و عام کو اس کی طرف مائل دیکھتے تھے تو اس کو بتانے میں دریغ کرتے تھے اور اس کو غلط اصلاحیں دے کر سر مشاعرہ ذلیل کرنا چاہتے تھے۔ چند شاعر جو اعلیٰ درجے کے قانع، مستغنی اور خوددار تھے اور سنجیدگی جن کی جبلت میں پیدا کی گئی تھی وہ بھی کوئی انوکھی روش اختیار نہ کر سکتے تھے جو سراسر مذاق جمہور کے خلاف ہو۔ جیسے میر تقی میر علیہ الرحمۃ کہ ان کا ایک شعر پڑھ کر بے اختیار منہ سے درود نکلتا ہے اور دوسرا شعر پڑھ کر نہایت شرم آتی ہے۔ ''(۴۱)

آج کوئی آزادؔ کا ہم نوا ہو یا نہ ہو، ان کی ستائش کی جائے یا تنقیص، آزادؔ نے ''آب حیات'' کی تخلیق عمل میں لا کر خود کو رہتی دنیا تک اردو ادب میں امر کر دیا ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے زبان کی لسانی تاریخ لکھ کر محققین کو لسانی تحقیق کی راہ دکھائی۔ اردو برج بھاشا کی بیٹی ہے یا دور کا بھی تعلق نہیں، انھوں نے یہ بحث چھیڑ کر لسانیات کے ماہرین کو گھوڑے دوڑانے پر مجبور ضرور کیا۔ آزاد کے تتبع میں اردو کے لسانی رشتے کی تلاش و پیش کش میں قابل قدر کاوشیں پیش ہوئیں۔ اردو لسانیات کی راہ کا جو بھی مسافر ہوا، آزادؔ سے ہوتا ہوا گزرا۔

آزادؔ نے تذکرہ نگاری کے باب میں اردو شعرا اور ان کے ماحول کو اٹھا کر زندہ و جاوید کر دیا۔ بہت سے شعرا کو قعر گمنامی سے نکال کر شہرت کے عروج پر پہنچایا۔ ''آب حیات'' کی بدولت آبرو، ناجی، حاتم، مظہر، قائم، جرئات، رنگین، ضاحک اردو ادب میں امر ہو گئے۔ اس کتاب کی بدولت تذکرہ نگاری کا رجحان پیدا ہوا۔ دیگر مصنفین کو آزادؔ نے زمانے اور ماحول کی منظر کشی کی دعوت دی۔ متاخرین تذکرہ نویسوں پر ''آب حیات'' کی چھاپ نمایاں ہے۔ صفیر بلگرامی کا تذکرہ ''جلوہ خضر'' اور حکیم عبدالحیی کا تذکرہ ''گل رعنا'' پر آب حیات کا پرتو واضح ہے۔ خواجہ عبدالرؤف عشرت کا تذکرہ ''آب بقا'' تو خیر نام سے ہی ''آب حیات'' کی تتبع کی چغلی کھا رہا ہے۔ آزادؔ کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ انھوں نے اردو شاعری خاص طور پر غزل کے نقائص کی جانب توجہ مبذول کروائی۔

''آب حیات'' میں شاعری کی تاریخ کی ادوار بندی کر کے تاریخ ادب کا ڈول ڈالا گیا۔ آزادؔ سے قبل لسانی تحقیق پر توجہ نہیں دی گئی تھی۔ ''آب حیات'' سے ماقبل تذکروں میں شعرا کے انداز بیان اور شاعری پر یوں بے باکانہ تبصرے نہیں ملتے، جس طرح آزادؔ نے یہاں شامل کیے ہیں۔ ان کا یہ تنقیدی انداز ''آب حیات'' کو تذکرے سے تنقید کے مقام پر کھڑا کر دیتا ہے۔ گویا ''آب حیات'' اپنی تمام خامیوں کے باوجود اردو نثر کی زندہ و جاوید کتاب ہے۔ آزادؔ نے اردو نثر کو فارسی کے قبضے سے واگزار کرا کر علاقائی رنگ میں سلاست اور سادگی عطا کی ہے۔ اردو زبان میں لکھی گئی یہ واحد کتاب ہے جو بیک وقت تذکرہ، تاریخ، تنقید اور نثر کے اعلیٰ نمونے کے مقام پر فائز ہے۔

حواشی

۱۔ آزاد، محمد حسین، مولانا، آب حیات، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن، ص ۴

۲۔ آزاد، محمد حسین، مولانا، آب حیات، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن، ص ۶

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

۳۔ آزاد، محمد حسین، مولانا، آب حیات، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن، ص ۲۱

۴۔ آزاد، محمد حسین، مولانا، آب حیات، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن، ص ۸۶

۵۔ آزاد، محمد حسین، مولانا، آب حیات، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن، ص ۸۷

۶۔)صادق الاخبار، ۱۰ مارچ ۱۸۸۱ء) بحوالہ: محمد صادق، آب حیات کی حمایت میں اور دوسرے مضامین، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء، ص ۱۱

۷۔ فرخی، محمد اسلم، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد: حیات و تصانیف (جلد دوم)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء، ص ۳۱۴

۸۔ قاضی عبدالودود، محمد حسین آزاد بحیثیت محقق، پٹنہ، ادارہ تحقیقات اردو، ۱۹۸۴ء، ص ۲۰۱

۹۔ محمد صادق، آب حیات کی حمایت میں اور دوسرے مضامین، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء، ص ۲

۱۰۔ فرخی، محمد اسلم، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد: حیات و تصانیف (جلد دوم)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء،، ص ۱۵۳

۱۱۔ فرخی، محمد اسلم، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد: حیات و تصانیف (جلد دوم)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء، ص ۳۰۔۲۹

۱۲۔ فرخی، محمد اسلم، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد: حیات و تصانیف (جلد دوم)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء، ص ۳۰

۱۳۔ طبقات الشعرا بحوالہ: فرخی، محمد اسلم، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد: حیات و تصانیف (جلد دوم)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء، ص ۳۰

۱۴۔ فرخی، محمد اسلم، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد: حیات و تصانیف (جلد دوم)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء، ص ۱۵۵

۱۵۔ فرخی، محمد اسلم، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد: حیات و تصانیف (جلد دوم)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء، ص ۱۵۷

۱۶۔ ادیب، مسعود حسن رضوی، آب حیات کا تنقیدی مطالعہ، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۶۴ء، ص ۱۰۴

۱۷۔ فرخی، محمد اسلم، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد: حیات و تصانیف (جلد دوم)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء، ص ۲۴۱

۱۸۔ فرخی، محمد اسلم، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد: حیات و تصانیف (جلد دوم)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء، ص ۲۴۱

۱۹۔ ادیب، مسعود حسن رضوی، آب حیات کا تنقیدی مطالعہ، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۶۴ء، ص ۶۵

۲۰۔ حالیؔ، الطاف حسین، مولانا، یادگار غالب، دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۸۶ء، ص ۳۶

۲۱۔ سید سجاد، آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ، لاہور، نئی مطبوعات، س۔ن، ص ۵۲

۲۲۔ ادیب، مسعود حسن رضوی، آب حیات کا تنقیدی مطالعہ، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۶۴ء، ص ۴۹

۲۳ فرخی، محمد اسلم، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد: حیات و تصانیف (جلد دوم)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء، ص ۳۱۲

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

۲۴۔ قاضی عبدالودود، محمد حسین آزاد بحیثیت محقق، پٹنہ، ادارہ تحقیقات اردو، ۱۹۸۴ء، ص ۱

۲۵۔ گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی ادبی تاریخیں، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۰ء، ص ۳۹

۲۶۔ گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی ادبی تاریخیں، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۰ء، ص ۱۰۰

۲۷۔ گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی ادبی تاریخیں، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۰ء، ص ۳۷

۲۸۔ ادیب، مسعود حسن رضوی، آپ حیات کا تنقیدی مطالعہ، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۶۴ء، ص ۱۴۱

۲۹۔ ماہنامہ "اردو" جنوری ۱۹۳۴ء، ص ۲۲۰

۳۰۔ فرخی، محمد اسلم، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد: حیات و تصانیف (جلد دوم)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء، ص ۸۱۔۸۰

۳۱۔ ادیب، مسعود حسن رضوی، آپ حیات کا تنقیدی مطالعہ، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۶۴ء، ص ۵۔۶

۳۲۔ سید سجاد، آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ، لاہور، نئی مطبوعات، س۔ن، ص ۵۳

۳۳۔ سید سجاد، آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ، لاہور، نئی مطبوعات، س۔ن، ص ۸

۳۴۔ سید سجاد، آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ، لاہور، نئی مطبوعات، س۔ن، ص ۱۱

۳۵۔ ادیب، مسعود حسن رضوی، آپ حیات کا تنقیدی مطالعہ، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۶۴ء، ص ۱۸

۳۶۔ سید سجاد، آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ، لاہور، نئی مطبوعات، س۔ن، ص ۲۱

۳۷۔ سید سجاد، آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ، لاہور، نئی مطبوعات، س۔ن، ص ۴۵

۳۸۔ سید سجاد، آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ، لاہور، نئی مطبوعات، س۔ن، ص ۸۲

۳۹۔ فرخی، محمد اسلم، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد: حیات و تصانیف (جلد دوم)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء، ص ۶۱۔۶۰

۴۰۔ ماہنامہ نگار لکھنو، اپریل ۱۹۶۰ء

۴۱۔ حالی، الطاف حسین، مولانا، مقالات حالی (جلد دوم)، دکن، انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۶ء، ص ۱۵۱۔۱۵۰